ماہنامہ

قندیل ادب انٹرنیشنل

لندن

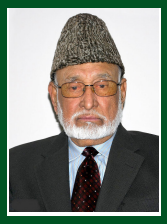

شمارہ:56 ماہ/اگست2017ء
www.qindeel-e-adub.com
(M) 0044-7886-304637, 02089449385
E-mail: ranarazzaq52@gmail.com.

بانی رُکن-خان بشیر احمد رفیق مرحوم

چیف ایڈیٹر-رانا عبدالرزاق خان

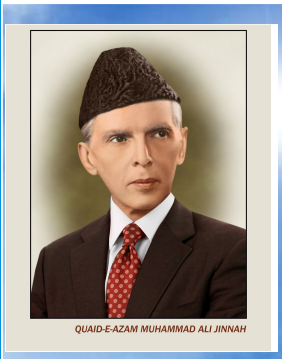

مجلس ادارت

زکریا ورک، امجد مرزا امجد، ایم اے حق بھارت،
خواجہ عبدالمومن ناروے، آصف علی پرویز

بانی رُکن : خان بشیر احمد رفیق مرحوم
مدیر : رانا عبدالرزاق خاں
معاون مدیر : سید حسن خان
مدیر خصوصی : سہیل لون
مینجنگ ڈائریکٹر : عاصی صحرائی
فوٹو گرافی : قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر
آڈیو وڈیو : محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم،
رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یو کے ٹائمز،
ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین،
بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد،
ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلا تفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبدالرزاق خاں

فہرست مضامین

آپ کے خطوط۔		3
کتاب قندیل علم پر تبصرہ	چیف ایڈیٹر ڈیلی یو کے ٹائمز	4
قندیل علم پر میرا تبصرہ	ثروت اقبال لندن	5
14 اگست یوم محاسبہ	ادارہ	6
غزلیات: چوہدری محمد علی مضطر، عبدالواسع آدم چغتائی، صابر ظفر، ا۔ ب۔ ناصر۔ فرحت عباس شاہ، مبارک صدیقی، منور کنڈے، عاصی صحرائی، نینا عادل، رفیع رضا، ڈاکٹر کاشف جلیل نکانوی، نذیر بنارسی، بشارت احمد بشارت، رمضان شائق، اطہر حفیظ فراز، ارشاد عرشی ملک، جمشید مسرور، معراج فیض آبادی، محمد اسحاق اطہر، سید معراج جامی (کراچی) فوزیہ مغل (لاہور) ناظر فاروقی (لندن) ماں، سوہن راہی (سرہٹن) اشتیاق زین (سلوؤ) مبشر شہزاد احمد (گلاسگو) سینہ سحر، ڈاکٹر رحیم اللہ شاد، عذرا ناز، ریڈنگ، احمد منیب، سلیم فگار (لندن) سائرہ بتول، ڈاکٹر نعیم اشرف (پریسٹن)، عائشہ غازی لندن، سیمی برلاس، فرزانہ خان نیناں، (احسان دانش)، اے حق لندن، امجد مرزا امجد،		7-14
محترم جمیل الرحمن جمیل کہنہ مشق شاعر و ادیب	ادارہ	15
چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان	شہزادی عابدہ سلطانہ	16
ملکہ نور جہاں	فضل عمر ڈوگر	17
نیا پاکستان مبارک ہو	ادارہ	19
کیا اب بھی ہم متحد نہیں ہو سکتے؟	سکندر خان بلوچ	21
پاکستان میں نایاب ہوتے جانور	طیب رضا عابدی	23
موٹاپے کی عالمی وبا	رضوان عطا	24
ہلاکو خان کی بیٹی کو جواب ایک عالم کا	عبدالقدیر کوکب	25
بہترین پوسٹ ہے	احمد کھرل	27
واہ کینٹ کا تعارف	عاصی صحرائی	28
ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ	سید حسن خان	29
مودی۔ اسرائیل۔ اور جماعت احمدیہ	بلا تبصرہ۔ ایک خط	30
مسلم ممالک کا مستقبل	ظہیر اختر بیدی	31
ہتھیار، ہتھیار ہتھیار	ظہیر اختر بیدی	32
ماں	طفیل مادر	34
امی جان سے خالہ جان تک کا سفر	ابراہیم عابد	34
احسان کا بدلہ	رانا عبدالوحید خاں	35
محمد حنیف کی تحریر۔ کون زندہ ہے؟	ادارہ	36
کیا واقعی عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔؟	ادارہ	36
ہندو مسلم فسادات کی سیاست	اے حق لندن	37
مسلمان سائنسدانوں کی تنقیدی	زکریہ ورک	38
اسلامی جمہوریہ میں سیاسی کمالات	ادارہ	40

***

آپ کے خطوط

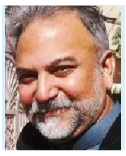

محترم طارق مرزا (آسٹریلیا) سے لکھتے ہیں:

مکرم ومحترم ایڈیٹر صاحب

ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل

آداب وتسلیمات

جولائی کا شمارہ ملا، چشم بددور

این سعادت بزور بازو نیست۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

تاہم اس شمارہ میں شامل ایک تحریر کے حوالہ سے یہ کہوں گا کہ براہ کرم اس اعلیٰ معیار کے عالمی جریدہ کو بے بنیاد اور غیر حقیقی مواد سے حتی الوسع پاک رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ غیروں اور حاسدوں کو استہزا کا کوئی بھی موقعہ نہ مل سکے۔ میرا اشارہ صفحہ 33 پہ شامل مچھلی کے بارہ میں درج تحریر کی طرف ہے۔ یہ درست ہے کہ دین اسلام کے ہر حکم اور تعلیم میں ایک حکمت پوشیدہ ہے لیکن اس سلسلہ میں از خود من گھڑت یا سنی سنائی ایسی بات کو ''سائنسی انکشاف'' اور ''جدید تحقیق'' بنا کر پیش کرنا جس کی کوئی علمی سائینسی بنیاد حتیٰ کہ کوئی مصدقہ حوالہ تک بھی نہ ہو، اور جو عقل اور واقعہ کے بھی خلاف ہو، پیش کرنا محض جاہلیت کو فروغ دینے والی بات ہے اور مسلمانوں کو دنیا کے سامنے جاہل بنا کر پیش کرنے والی بات ہے۔ کیا ''مصنف'' بتا سکتے ہیں کہ دنیا میں موجود مچھلیوں کی کتنی اقسام میں اپی گلوٹس (Epiglottis) نامی عضو موجود ہوتا ہے؟ اور یہ کہ اپی گلوٹس ہوتا کیا ہے؟۔ کیا کبھی کسی مسلمان (بشمول مصنف) نے کبھی اس طرح کا ''خون سے بھرا اپی گلوٹس'' دیکھا بھی ہے؟۔ اپی گلوٹس تو محض ایک کری ہڈی ہوتی ہے۔ ہر مچھلی میں اپی گلوٹس ہوتا بھی نہیں، خاص کر ''مچھلی مارکیٹ'' میں دستیاب مچھلیوں میں تو یہ چیز عنقا ہی ہوتی ہے۔ وہیل مچھلیوں میں اپی گلوٹس سے مشابہ ایک کری ہڈی ہوتی ہے لیکن اس میں ''خون کے ایک ایک قطرہ'' کا جمع ہونا ایک لغو اور جاہلانہ تصور ہے جس طرح مصنف نے تحریر فرمایا ہے۔ وہیل مچھلی میں لگ بھگ چھ ہزار لیٹر خون ہوتا ہے ایک احمق ہی یہ تصور کرسکتا ہے کہ یہ سارا خون اس کے گلے میں موجود ایک ہڈی میں آ کر جمع ہوجاتا ہے جس کے بعد یہ مچھلی حلال ہوجاتی ہے! (لاحول ولاقوۃ)

راقم کی تحریر میں شامل اگر کوئی تلخی سی محسوس ہوئی ہو تو یہ محض قندیل ادب سے ہماری دیوانگی کی حد تک محبت کا نتیجہ ہے ورنہ آجکل تو نیٹ پہ رسالوں کی سونامی موجود ہے، جس میں نجانے کیا کیا مزید جاہلانہ مواد چھپتا رہتا ہے۔ اگر راقم کا یہ خط شائع فرمادیں تو جملہ مصنفین کی خدمت میں بھی یہ توجہ طلب درخواست پہنچ جائے گی۔ آپ کا بیحد شکریہ۔

ڈاکٹر نسرین شگفتہ صاحبہ

ایڈیٹر ادب وکتب خانہ کراچی رقم طراز ہیں۔

محترم چیف ایڈیٹر قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

السلام وعلیکم

قندیل ادب انٹرنیشنل لندن کی مسلسل شاندار اشاعت پر آپ کو اور آپ کی ٹیم کو مبارک باد پیش کرتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس میگزین کو دن دوگنی رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین۔

محترم محمد اویس جعفری واشنگٹن سے رقم طراز ہیں:

جناب رانا عبدالرزاق خان

السلام وعلیکم

آپ، آپ کے رفیقانِ کار اور ''قندیل ادب'' کے اہل قلم قابل تحسین اور لائق تقلید ومبارکباد ہیں کہ وہ اپنے آبائی وطن سے دور، دیارِ غیر میں اُردو زبان اور۔ شعروادب کی ترویج وفروغ کے سلسلہ میں لائق تحسین اور لائق تقلید خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اللہ آپ سب کا حامی وناصر ہو۔ یہ خدمت ہی نہیں بلکہ کارنامہ ہے اور اس لئے بھی بطور خاص قابلِ داد ہے کہ اردو اپنے آبائی وطن میں کسمپرسی کا شکار ہے اور اس سے مغائرت برتی جارہی ہے نہ حکومتوں کو اس کی پرواہ ہے نہ عوام کو۔ کیا کیا جاسکتا ہے سوائے افسوس کے۔ آپ احباب کی کاوشوں پر یہ شعر صادق آتا ہے:

ان میں لہو جلا ہو ہمارا کہ جان و دل
محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں

کتاب ''قندیلِ علم'' پر چیف ایڈیٹر ڈیلی یو کے ٹائمز لندن کا تبصرہ

تبصرہ : اے حق لندن

قندیلِ علم ایک ایسی کتاب ہے کہ جسے دیکھتے ہی یہ بات ذہن میں سماجاتی ہے کہ اس کتاب میں سماجی ، سیاسی ، شخصیات کے بارے میں معلوماتی مضامین لکھے گئے رانا عبدالرزاق خان جو میرے لئے ایک بہت ہی قابل احترام شخصیت ہیں۔جنہوں نے برطانیہ بلکہ ساری دنیا میں اپنی حد درجہ کاوشوں سے تھوڑے عرصہ میں ادبی حلقوں میں اپنا لوہا منوایا ہے،اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔اگر میں ان کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش نہ کروں تو یہ زیادتی ہوگی ۔رانا عبدالرزاق خان کا مجھ پر ایک احسان یہ بھی ہے کہ انہوں نے طویل عرصہ تک یو کے ٹائمز میں مضامین اور کالمز لکھے۔اور گوشہ ادب کے بھی مدیر رہے۔ان کے یہ مضامین آپ کو اس کتاب میں میسر ہونگے۔ ان کی یہ خدمات بھی ایک نیکی سے کم نہیں۔وہ عرصہ پانچ سال سے ماہنامہ ''قندیل ادب انٹرنیشنل'' بھی مسلسل نکالتے ہیں۔اور ہر ماہ مشاعرے کا بھی التزام کرتے ہیں۔

اُردو زبان کو جس طرح انہوں نے فروغ دیا جس کی تفصیل اگر میں لکھنا چاہوں تو بہت صفحات درکار ہیں،ان کی اس کتاب قندیلِ علم میں مضامین بر جنرل اختر علی ملک، محسن پاکستان (ظفراللہ خاں)، چودھری رحمت علی، علامہ سر محمد اقبال، پروین شاکر، قلندر مومند، ثاقب زیروی، جناب عبیداللہ بیگ، حضرت حافظ شیرازیؒ۔عبیداللہ علیم پر ایک نظر، سیّد امتیاز علی تاج۔امیر مینائی، قائداعظم کی زندگی پر مضمون۔ڈاکٹر فراز حامدی شعراء کرام کی نظر میں۔ حضرت مولانا محمد جلال الدین رومیؒ، بابائے اُردو مولوی عبدالحق صاحب، مبارک مونگیری ایک عظیم شاعر، ڈاکٹر عبدالسلام میری نظر میں، قائد اعظم محمد علی جناحؒ اور مختلف مشاہیر کرام۔خان لیاقت علی خان، تحریک پاکستان میں خواتین کا کردار، جناب ایم ایم صاحب، ڈاکٹر عبدالسلام نوبل لارئیٹ، حضرت قائداعظمؒ اور چوہدری ظفراللہ خان، معمار قوم سرسید احمد خان، حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کا تصور پاکستان، سرگنگا رام، عبیداللہ علیم، ابوالکلام آزادؒ۔محترمہ رتی بائی اہلیہ قائداعظم، ڈاکٹر عبدالسلام اور پروفیسر سر ہوئیل، محمد علی جوہر، احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی۔اُردو ادب سے متعلق بہت سے مضامین، پاکستان کی سیاست پر مثبت مگر تلخ تبصرے کئے ہیں۔ان تاریخی معلومات کو یکجا کیا۔یہ سچے اور محب وطن لکھاری کی ہی نشانی ہے۔میں خوشامد اور چاپلوسی کی عادت سے مبرّا ہوں۔میں تفصیلی تعریف تو نہیں کرسکتا۔رانا عبدالرزاق خان نے بعض مضامین پر جس وُسعت سے روشنی ڈالی ہے وہ ان ہی کا کام ہے۔رانا عبدالرزاق خان ایسے ایک سچے اور تلخ قلمکار ہیں کہ حقائق کو بلا جھجک پیش کرتے ہیں میں رانا عبدالرزاق خان کو اس کتاب کی رُونمائی پر مبارک باد پیش کرتا ہوں خدا تعالیٰ ہمیشہ رانا صاحب کو صحت مند رکھے اور لمبی فعال زندگی سے نوازے۔آمین۔

***

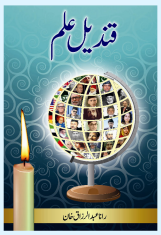

قندیل علم پر میرا تبصرہ

ثروت اقبال لندن

رانا عبدالرزاق خاں برطانیہ کے ادیب وشاعر ہیں۔انہوں نے ایک کتاب 'قندیل علم' کے نام سے شائع کی ہے۔ جس کے بارے میں یہ تجزیہ یا تبصرہ لکھ رہا ہوں۔قندیل علم پڑھ کر اندازہ ہوگیا کہ رانا عبدالرزاق خان خاصے پڑھے لکھے شخص ہیں ان کا مطالعہ اور مشاہدہ بڑا وسیع اور عمیق ہے۔انہیں پتہ ہے کہ دنیائے ادب میں ماضی میں کیا لکھا گیا اور اب کیا لکھا جا رہا ہے اور میدان سیاست میں کیا ہو رہا ہے۔خصوصاً پاکستان کی تاریخ کن منازل سے گزر رہی ہے۔کتاب میں شامل مضامین کو کئی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے ایک باب سوانحی حالات ہیں تو دوسرے حصے میں ادبی علمی اور سیاسی مضامین ہیں۔زیادہ تر مضامین اخباری کالموں کی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔

انہوں نے بعض ایسے موضوعات پر لکھا ہے جن پر میں بھی لکھتا ہوں۔ہم دونوں نے مشترکہ عنوانات پر اپنے اپنے انداز میں لکھا ہے۔رانا عبدالرزاق خان کا انداز منفرد ہے ورنہ لکھاری مکھی پر مکھی مارتے رہے ہیں اور اکثر وہی باتیں دہراتے ہیں جو پہلے لکھی جا چکی ہیں نثر لکھنا مشکل کام نہیں۔بہت آسان کام ہے مگر اچھی نثر لکھنا بہت مشکل کام ہے۔اور رانا عبدالرزاق نے یہ کام کر دکھایا ہے۔وہ کافی عرصہ سے برطانیہ میں اردو کی خدمت کر رہے ہیں۔ان کی یہ خدمت بے لوث ہے۔مختلف قسم کی گرانٹ نے بہت سے خدام اردو پیدا کر دئے ہیں۔سوانحی حالات کے باب میں کئی ایسی شخصیات ہیں جن کے بارے میں مَیں خود لکھنا چاہتا تھا مگر مجھے اتنا مواد (میٹر) نہیں مل سکا مثلاً سر گنگا رام، ڈاکٹر عبدالسلام، عبیداللہ علیم مولانا محمد علی جوہر وغیرہ۔

سیاسی مضامین کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبدالرزاق خان کی تحریر میں تلخی بھی ہے اور شیرینی بھی ہے تلخی زیادہ شیرینی کم ہے۔وہ سچ لکھتے ہیں اور سچ اکثر کڑوا ہی ہوتا ہے کڑوا لکھنے میں بڑے خطرات بھی ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ وہ برطانیہ میں آباد ہیں اور ان کی تحریر پڑھنے والے بھی غیر ممالک میں آباد پاکستانی ہیں ورنہ اگر وہ پاکستان میں ہوتے تو اب تک اُن پر بے شمار مقدمات قائم ہو چکے ہو جاتے۔رانا عبدالرزاق نے ایک مضمون لکھا ہے پاکستان کا مطلب (کھاپی تے جان بنا) میں مضمون کے عنوان سے متفق ہوں پاکستان کا مطلب لا الہ اللہ کا نعرہ تو کئی دفعہ لگایا جا چکا ہے مگر پاکستان کا اصل مطلب اور جو لوگ خصوصاً سیاست دان اور حکمران نکالتے ہیں وہ وہی ہے جو رانا عبدالرزاق خان کے مضمون کا عنوان ہے۔اسلامی جمہوریہ پاکستان کی کوئی چیز اسلامی نہیں ہے۔اسلام کے نام پر بھی طرح طرح کا فتنہ فساد ہو رہا ہے۔اسی سوچ کے وجہ سے اسلام شروع سے ہی فرقہ بندی کا شکار رہا ہے۔شیعہ سنی کی تقسیم خلافت راشدہ کے دور میں ہی شروع ہوگئی تھی اس کے بعد ان فرقوں کے مزید فرقے بنتے رہے۔آج کل ان فرقوں کی تعداد سینکڑوں ہے وہ ایک فرقے ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں۔میں نے اوپر لکھا ہے کہ رانا عبدالرزاق لندن کے اردو ادیب وشاعر ہیں ہماری ایک قدر مشترک مشاعروں کی نظامت بھی ہے۔میں چالیس سالوں سے مشاعروں کی نظامت کرا رہا ہوں۔وہ بھی بڑے عرصہ سے لندن کے مشاعروں کی نظامت کرا رہے ہیں۔شعرا حضرات بڑے تنک مزاج ہوتے ہیں۔ذرہ ذرہ سی بات پر ناراض ہو جاتے ہیں۔اسکے علاوہ جہاں دو شعرا اکٹھے ہوئے وہاں تین گروپ بن جاتے ہیں۔پھر شعراء میں کچھ اِدھر والے ہوتے ہیں کچھ اُدھر والے ہوتے ہیں۔دونوں طرف کی شعراء ایک دوسرے کو شاعر نہیں مانتے بالکل اسی طرح جس طرح مسلمانوں کے مختلف فرقے اپنے فرقے والوں کو مسلمان مانتے ہیں دوسرے فرقے والوں کو فوراً وہ اسلام سے خارج کر دیتے ہیں۔اسی طرح ایک گروپ کے شاعر دوسری طرح کی شاعری کرنے والوں کو شاعر نہیں مانتے۔ان تمام تفریقات اور اختلافات کے درمیان ایک اچھی نظامت کرنا قابل تعریف کام ہے جو رانا صاحب کر رہے ہیں۔انہیں شعراء کے حسب مراتب کا خیال رہتا ہے اور ہر شاعر کو اس کی صلاحیت کے مطابق پڑھنے کا موقعہ دیتے ہیں۔ان کی کامیاب نظامت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ابھی تک ان کے لئے کوئی ہجو نہیں لکھی ہے۔اردو کتابیں لکھنا چھپوانا اور کتاب کی رونمائی کرنا خاصہ دردسر کا کام ہے۔یہ کام ایسا ہے کہ ''نیکی کر اور دریا میں ڈال'' کتابیں لکھنے والے تو مل جاتے ہیں انہیں چھاپنے والے یہ کام خاصہ بڑا معاوضہ لے کر دیتے ہیں مگر کتابوں کو خریدار نہیں ملتے اور جن لوگوں کو یہ کتابیں مفت دی جائیں وہ اسے پڑھتے نہیں۔پڑھنے کا کام بھی معاوضہ طلب ہے۔رانا صاحب نے ایک ضخیم کتاب شائع کی ہے جو 506 صفحات پر مشتمل ہے جس میں بڑے اچھے اچھے مضامین ہیں آپ ان کے خیالات سے اتفاق کریں یا نہ کریں لیکن ان میں تلخ حقیقتوں کا ذکر ہے۔

(دی نیشن ویکلی لندن ۳۱ جولائی ۲۰۱۷ء)

چودہ اگست - یومِ محاسبہ

رانا عبدالرزاق خان

نئی نسل کو نہ سہی اہلِ وطن کا وہ حصہ جس کی آنکھوں نے دُنیا کے نقشے پر اس مملکتِ عزیز (پاکستان) کی حدود کو اُبھرتے دیکھا ہے۔اُسے تو بہر حال کچھ نہ کچھ یاد ہوگا۔اپنے رَب سے اس ارضِ پاک کی نعمت مانگتے وقت ہم نے کیا کیا عہد کئے تھے۔کیسے کیسے نیک، نیک، تعمیری اور بلند عزائم کا اظہار کیا تھا...اور یقیناً صورت وشکل بھی اُس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں اس نعمتِ عظمیٰ کا وارث بنا دیئے جانے کے بعد ہم نے اپنے وعدوں کو کس کس طرح پورا کیا اور نبھایا...اسی طرح نہ کہ لادینیت، اشتراکیت اور الحاد وزندقہ کی لعنتیں مختلف النوع خوش نما وخوش آئندہ جُتے پہن کر ہمارے فکر واحساس کی صفوں میں در آئیں۔ہم نے نعرہ لگایا تھا کہ اس خطۂ اَرض میں ہم اپنے نظریات اور اپنی نئی نسل کی تعمیر وتربیت خالصتاً اسلامی نظریات وتعلیم کی روشنی میں کریں گے۔لیکن عملاً ہم نے اپنے ۱۹۴۷ء سے پہلے والے اسلام کو بھی خیر باد کہہ دیا۔اور اپنے آپ کو ہوس زَر ومال کے سپرد کر کے اپنی آئندہ نسل کی تربیت وتعمیر سراسر ناجائز، ناروا بلکہ حرام طریقوں سے حاصل کردہ یافتوں سے افرنگیت اور بے راہ وبے غیرت مغربی تہذیب کی لائنوں پر شروع کر دی۔ہم نے بلند آواز میں اپنے عزائم کا اعلان کیا تھا کہ ہم اس خطۂ اَرض موسوم بہ پاکستان کے داخلی وخارجی دشمنوں سے ہمیشہ چوکنّے اور چوکس رہیں گے قیامِ پاکستان کے دشمنوں کو کبھی منہ نہ لگائیں گے۔اپنے ہمسایہ دشمن بھارت کے تنخواہ داروں کو کبھی گھاس نہیں ڈالیں گے۔ففتھ کالموں سے ہشیار رہیں گے اور اسلام کے دُشمن، منزہ، اتحاد اور انسانیت دوست تعلیم پر عمل کرتے ہوئے ہم جلد ہی ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں گے کہ دشمن ہمارے اندر داخل ہو کر ریشہ دوانی کرنا تو رہا ایک طرف وہ ہماری طرف میلی نگاہ سے بھی دیکھنے کی جرأت نہیں کرے گا۔لیکن اس بے نیازی، عدم تدبر اور عدم تدبر (حفظ وطن ایسے اہم فریضے سے) بے خبری کے باعث ہم نے اپنی دیکھنے والی آنکھوں سے یہاں محبت وطن سے کہیں زیادہ دشمنانِ وطن کو پھلتے پھولتے دیکھا۔اور ٹس سے مس نہ ہوئے۔ففتھ کالموں اور دشمنانِ وطن کے پٹھوؤں کو کیفر کردار تک پہنچانے کی بجائے سربراہانِ حکومت کی سطوتوں کو للکارتے اور سالمیتِ وطن پر تبر چلاتے دیکھا مگر ہمارے کانوں تک جوں تک نہ رینگیں گی۔حتیٰ کہ ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے بدخواہانِ وطن کینچلی بدل کر محبانِ وطن بلکہ رہنمایانِ وطن بن گئے۔اور ہم نے اُن کی اندھا دُھند تقلید کو وظیفہ حیات بنالیا۔ہم نے اپنے اس یقین محکم کا ڈھول پیٹا تھا کہ ہم یہاں اسلامی رواداری اور اسلامی نظام اقتصاد کی اَساس پر ایک لاثانی ولافانی معاشرے کی تعمیر کریں گے۔جس کے سائے میں انسانیت، شرافت، صداقت، دیانت، آزادی کلیلیں کیا کریں گی۔لیکن ہوس جاہ واقتدار نے ہمیں بھٹکایا کہ ہم اقتدار کی کرسیاں حاصل کرنے کے لئے حیلوں بہانوں سے اپنے ہی کلمہ گو بھائیوں کی گردنوں پر چھریاں پھیرنے لگے۔حتیٰ کہ ہمیں اس غیر اسلامی ہنگامہ روّی میں مصروف پا کر دشمن نے ہمارے اندر ففتھ کالم نویس پیدا کر دیئے جو اُن مسلمانوں کی حمایت کر رہے ہیں جن کی مسلح مداخلت کے باعث پچاس ہزار پاکستانی موت کی وادی میں چلے گئے۔اور اربوں کا اقتصادی نقصان ہو چکا ہے۔ہزاروں کی تعداد میں لاعلاج امراض میں مبتلا ہو گئے۔اپنے نہتے اور بے بس ہموطنوں کو تہ تیغ بے دریغ کرنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں اور اسی قسم کی دسیوں وعدے، وعدے اور اعلان ہم نے اپنے رب، اس نئے ملک کے عوام اور اپنی آئندہ نسل سے کئے تھے۔آیئے ذرا آج ان حقائق کی روشنی میں اپنے پچھلے سالوں کے کردار کا محاسبہ کر دیکھیں کہ ہم نے اس عرصہ میں اپنے ان نظریات، عزائم، اور مواعید کا کس کس طرح رنگ نکھارا یا حُلیہ بگاڑا ہے!۔بیشک ''محاسبہ'' ایک بڑا ہی چبھتا ہوا لفظ اور کرب انگیز عمل ہے اور سہلا الحصول دولت کے حصول کی لگن میں اپنے فکر واحساس کے جسم سے اقدار اخلاق ومروّت کے تمام لبادے اُتار کر باؤلی ہو کر پھرنے والی قوموں پر بڑا ہی بھاری ہوتا ہے لیکن یہ بھی واضح رہے کہ جو قوم آپ اپنے محاسبے سے کنی کترانا شروع کر دے اُس سے رفتہ رفتہ غیروں اور بدخواہوں کے احتساب کی صلاحیتیں بھی چھن جایا کرتی ہیں۔

***

غزلیات

چوہدری محمد علی مضطرؔ

عشق بدنام ہے اوّل دن سے
صلح ہوگی نہ لڑائی ہوگی
وصل در وصل جدائی ہوگی
اشک میں اشک پروئے ہوں گے
آگ سے آگ بجھائی ہوگی
ہم کو بے چین بنا کر پیارے
تجھ کو نیند نہ آئی ہوگی
عشق بدنام ہے اول دن سے
کوئی تو اس میں برائی ہوگی
ہم فقیروں میں بھی آکر بیٹھو
بوریا ہوگا، چٹائی ہوگی
حشر کے روز بقول غالب
''کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی''
اک طرف ہوگا ہو جانِ خوبی
اک طرف ساری خدائی ہوگی
پھر گیا جانبِ صحرا مضطرؔ
پھر کوئی جی میں سمائی ہوگی

عبدالواسع آدم چغتائی

زیست ہے جن کے لئے سخت سزاؤں کی طرح
اُن کے جذبات پریشاں ہیں ہواؤں کی طرح
راستہ کیسے کٹے تیری رفاقت میں بھلا
زندگی آج بھی ہے آبلہ پاؤں کی طرح
ہم پذیرائی کریں اُس کی بتاؤ کیسے
جس کا لہجہ تھا ہر اک گام خداؤں کی طرح
یاس و اُمید کی اُلجھن میں پھنسا کر ہم کو
وہ تو اپنوں پہ برستا ہے گھٹاؤں کی طرح
اُس کے زنداں میں رہا ہر کوئی قیدی تنہا
جو ترستا رہا لُقمے کو گداؤں کی طرح
کلمے کا ورد اور احمد سے محبت کے عوض
ظلم بھی ڈھائے گئے ہم پہ بلاؤں کی طرح
اُن کے ہرلفظ میں اک دم ہے اسیروں کے لئے
دھیمے لہجے میں بھی تاثیر ہے شفاؤں کی طرح
وہ میری ساری تمناؤں کا مرکز ٹھہرا
جس کا سایہ ہے ہمیں دُھوپ میں چھاؤں کی طرح
اپنا اِس پیار نگری میں ہے دعویٰ آدمؔ
کوئی لائے تو وفا میری وفاؤں کی طرح

صابر ظفر

میں تجھ سے آگے جو سوچوں تو دھیان ساتھ نہ دے
اور اپنی جان پہ کھیلوں تو جان ساتھ نہ دے
بس ایک گردشِ پیہم کا ساتھ ہے ورنہ
زمین ساتھ نہ دے آسمان ساتھ نہ دے
میں چاہوں ایسی غلامانہ زندگی سے نجات
اگر تو ساتھ نہ دے تو جہان ساتھ نہ دے
یہ کیسی قوت گویائی دی مجھے تو نے
میں کرنا چاہوں جو شکوہ، زبان ساتھ نہ دے
جمال غیر پہ ایمان کیسے لاؤں ظفر
یہ میرا دل یہ مرا ترجمان ساتھ نہ دے

ا۔ب۔ناصر

حوصلے جواں رکھنا گرچہ رات بھاری ہے
صبحِ نَو کے سانسوں کی سب مہک ہماری ہے
دسترس میں رہتا ہے کارواں زمانے کا
وہ صدی ہماری تھی یہ صدی ہماری ہے
اپنی دُھن میں رہتے ہیں مست ہیں قلندر ہیں
مات بھی ہماری ہے جیت بھی ہماری ہے
عاقبت بنانے کو جان پیش کرتے ہیں
سلسلہ چلانا تو خدا کی ذمہ داری ہے
کچھ پرانی یادوں کو نیند سے اٹھایا ہے
ہم نے یوں شبِ ہجراں جاگ کر گزاری ہے
بے خبر نہیں ہے وہ چاہتوں کی شدّت سے
چاند نے بھی ساری رات آنکھ میں گزاری ہے

فرحت عباس شاہ

جانے کس درد کا دیا ہوں میں
رات اور دن بہت جلا ہوں میں
میں تو صدیوں سے بند مُٹھی ہوں
کب کسی پر کبھی کھُلا ہوں میں
کم نہیں کر سکا تری مشکل
پر ترے ساتھ تو چلا ہوں میں
میں کہ سورج نہیں مقدر تھا
وقت سے پیشتر ڈھلا ہوں میں
اب ضرورت نہیں رہی اس کو

مبارک صدیقی

جن کی راہوں میں کانٹے بچھائے گئے
جن کے بستے ہوئے گھر جلائے گئے
وہ جو ہر دور میں آزمائے گئے
بے گناہ جو لہو میں نہائے گئے
ہم وہی لوگ ہیں،ہم وہی لوگ ہیں
وہ جو رسمیں وفا کی نبھا کے چلے
شہرِ جاناں کو سب کچھ لُٹا کے چلے
اپنے پیاروں کی لاشیں اُٹھا کے چلے
ہر قدم ضبطِ غم آزما کے چلے
ہم وہی لوگ ہیں،ہم وہی لوگ ہیں
وہ جنہوں نے جفاؤں کو مانا نہیں
چاردن کے خداؤں کو مانا نہیں
جبر کی انتہاؤں کو مانا نہیں
قاتلوں بے وفاؤں کو مانا نہیں
ہم وہی لوگ ہیں، ہم وہی لوگ ہیں
وہ جو قصوں کتابوں میں مشہور تھے
کلمۂ حق جو کہنے پہ مجبور تھے
وہ جو سقراط تھے وہ جو منصور تھے
ہم وہی لوگ ہیں،ہم وہی لوگ ہیں
وہ جو حرفِ وفا معتبر کر گئے
یوں جلے شب نگر میں سحر کر گئے
وہ جو اُجڑے چمن با ثمر کر گئے
عشق اپنے لہو سے امر کر گئے

جو شخص تم پہ غصہ بھی کرے اور تعلق بھی ختم نہ کرے تو وہ برے وقت میں تمہارا سب سے اچھا دوست ہے۔

ڈاکٹر منور احمد کنڈے انگلینڈ

پیڑ سے ایک دو کیا ثمر گر گئے
نگہِ بالا سے کتنے بشر گر گئے
بے کسوں پر کوئی وار کرتے ہوئے
جاں فشاں خود کسی لاش پر گر گئے
جن سے ماضی کی تہذیب منسوب تھی
اب تو گلشن میں وہ بھی شجر گر گرے
کھائے جاتے ہیں رہ رہ کے جھوٹی قسمیں
اہلِ ایمان بھی کس قدر گر گئے
اپنے دشمن کو بے دست پا دیکھ کر
میرے ہاتھوں سے تیغ و تبر گر گئے
دہر میں لائے جب انقلاب آندھیاں
جو پرانے منور تھے گھر گر گئے

عاصی صحرائی

عشق جب سے ہوا ہے ایمان میرا
دشمن تب سے ہوا ہے جہان میرا
بند ہوا درِ قفس جب سے
ہر پرندہ ہوا ہے پریشان میرا
میں نے رقیب کو پھول بھیجے تھے
تب سے شروع ہوا ہے نقصان میرا
جوزمان و مکان سے باہر ہے
وہی ایزد وہی ہے یزدان میرا
دوستوں سے بے جا توقع کرتا رہتا ہوں
اسی لئے آج دل ہوا ہے پریشان میرا
بات کو جتنا بھی انسان اہم کردے
پھر بھی بالا ہوا ہے کلام رحمان میرا
عاصیؔ ذکرِ خدا میں ہے برکت
ورنہ میں کیا اور کیا ہے دیوان میرا

نینا عادل

مرے قریب رُک چکی ہے نبضِ کائنات بھی
ہے پرتوِ ممات اب یہ رشتہ حیات بھی
رہا عجیب اِلتواء کہ جاں بلب ہے ہر صدی
جمود کا شکار ہے اَلم مرا، خوشی مری
خیال ہیں نہ خواب ہیں جمال ہے نہ روشنی
تمدّن و طریق بن گئی ہے پارسائی بھی
یہ جبر ہے کہ بندگی؟ یہ عیب ہے کہ زندگی؟
بہار ڈھونڈتی پھرے نشاطِ رنگ و بو یہاں
یہ طرز یہ چلن مٹا! کہ ہم نہیں فرشتگاں
فنونِ جاوداں جو رنگ رُوح کو نکھار دیں
وہ ہنر وہ آگ دے! وہ جبیں وہ آستاں
بقا کا ساز چھیڑ دے! یہ دن فنا کے پھیر دے
ہے بے ثمر یہ مستقل تو ارضِ دل کو خیر دے
یہ بحرِ موج جھومتی ہے دیکھ اضطراب میں
تھی کن فکاں کی جو صدا وہ تھی اسی حباب میں
پئے دوامِ زیست ہے یہ ناچتا ہوا لہو
یہ کہکشاں کا وصف ہے خلائے بے حساب میں
تو رقص کر کہ جاگنے لگے یہ خطہ زمیں
کھلے وہ بابِ دل رُبا جو فکر پہ کھلا نہیں
تو رقص کر جلو میں لے کہ دو جہان ہم نشیں
یہ سلسلہ دھمال کا ازل سے ہے رُکا نہیں
تو رقص کر کہ دھڑکنوں کا زیرو بم لگے حسیں
ہو وجد و کیف وہ عطا وہ حظ جو کھوکھلا نہیں
تو رقص کر کہ گھنگروؤں سے آشنا ہو یہ زمیں
ہرا ہو فرشِ آگہی جو دور تک ہرا نہیں
تو رقص کر کہ آس کا دیا کوئی جلے کہیں
وہ داغِ دل بھی دُھل رہے جو مدّتوں دُھلا نہیں
تو رقص کر کہ فجر کا، زوالِ شب کا ہو یقیں
ملے یونہی ولے خدا جو آج تک ملا نہیں

رفیع رضا

پل پل تھرک رہا ہے یہ پارہ دماغ کا
ہوتا نہیں ہے سَر میں، گزارا دماغ کا

چنگاریاں رگوں میں رواں ہیں لہو کے ساتھ
پھٹنے لگا ہے جیسے شرارا دماغ کا

باہر نکل نہ جائے زمان و مکان سے
روکا ہوا ہے آج تو دہارا دماغ کا

جا اپنے آسمان کو خُود ہی اُٹھا کے پھر
مَیں تو ہٹا رہا ہوں سہارا دماغ کا

لازم تھا احترام صحیفے کے واسطے
رکھا ہوا ہے سر پہ سپارا دماغ کا

کس کو یہاں تلاش مرے لامکاں کی ہے
چھوڑے گا کیوں لکیر، ستارہ دماغ کا

ہر آئینے کے سامنے رکھا ہے آئینہ
اب کیا کرے دماغ، نظارہ دماغ کا

ڈاکٹر کاشف جلید ننکانوی

مجھے اک بات بتلا دے تری آنکھیں کیا کہتی ہیں
ہزاروں غم چھپا کر بھی صدا خاموش رہتی ہیں

اشاروں کی زباں سمجھیں اشاروں کی زباں جانیں
یہ پتھر دل پہ سہتی ہیں مگر خاموش رہتی ہیں

تری آنکھوں کا کیا کہنا ذرا بھی نم نہیں ہوتیں
کہ خالی جام رہتا ہے مگر مدہوش رہتی ہیں

کبھی اٹھتی نہیں ڈرتی ہیں قتل یار سے لیکن
دلوں سے بات کرتی ہیں مگر خاموش رہتی ہیں

نذیر بنارسی

کافر ہے غضب کی بات کافر ہے نظر بھی
اس کی جو چلے لوٹ لے اللہ کا گھر بھی

کیا چیز ہے تیری نگاہ شعبہ گر بھی
محفل میں بہ وقت یہ اِدھر بھی اُدھر بھی

جس شاخ میں غنچہ ہے اس میں گل تر بھی
ہے دستِ بہاراں میں مرا دل بھی جگر بھی

اس صوبہ کی رونق ہیں تیرے گیسو و عارض
تو شاہ اودھ بھی بنارس کی سحر بھی

مدت سے ہے محروم قدم راہ محبت
فرصت ہو تو آجایئے اک روز ادھر بھی

ارباب جنوں آکے ٹہل آئے وہاں سے
مشکل تھا جہاں پہلے خیالوں کا گزر بھی

کیا پوچھتے ہو باد مخالف کی عنایت
آتی ہے میرے منہ پہ میرے گرد سفر بھی

جس آگ کو ہمسائے نے دی ہیں ہوائیں
اس آگ میں جل سکتا ہے ہمسائے کا گھر بھی

کاشی سے مسلماں ہیں نذیر آپ سے ملئے
بت خانہ میں ہیں آپ اور آپ کا گھر بھی

بشارت احمد بشارت

حسیں نظاروں نے صندلی بدن کو دیکھا ہے
مری نظر نے ترے بانکپن کو دیکھا ہے

جو حشر برپا کیا اِن غزال آنکھوں نے
تو سجدہ ریز ہوئے ہر چمن کو دیکھا ہے

کسی نے دیکھا ہے جی بھر کے چاند چہرے کو
ہمارے دل نے غنچہ دہن کو دیکھا ہے

جو چاہا شوق نے اِس مرمریں سراپا کو
کہا یہ دل نے کہ حسنِ جہاں کو دیکھا ہے

جھکی جھکی سی نظر اور شرم چہرے پر
عجیب تپش میں جلتے بدن کو دیکھا ہے

وہ بے مثل ہے جس نے تجھے بنایا ہے
تمہارے روپ میں اُس کے جہاں کو دیکھا ہے

زہِ نصیب مری آنکھ کے شہر میں ہو
قیام کرنے کو دل کے چمن کو دیکھا ہے

رمضان شائق

دشت میں دیپ بھی جلائے ہیں
چاند تارے بھی آزمائے ہیں

تم نہیں جانتے مجھے صاحب
میں نے تو خود سے زخم کھائے ہیں

یہ سبھی غم مری وراثت ہیں
میری نس نس میں جو سمائے ہیں

ایک سا وقت تو نہیں رہتا
وقت نے شاہ سب رُلائے ہیں

تیری محفل ہے یا کوئی ماتم
چار سُو وحشتوں کے سائے ہیں

ہر کسی کو نہیں سناتا میں
شعر جو آج یہ سنائے ہیں

داد تھوڑی تو دیجئے صاحب
ہم نے مانا کہ بِن بلائے ہیں

ثاقب ساقی

سَر اُٹھاؤں تو جان جاتی ہے
اور جھُکا لوں تو شان جاتی ہے

خامشی بھی مجھے قبول نہیں
کچھ کہوں تو زبان جاتی ہے
نقد لینے کوئی نہیں آتا
قرض دوں تو دکان جاتی ہے
میرے ٹوٹے پروں پہ مت جانا
آسماں تک اُڑان جاتی ہے
بد دُعا تم کسی کی مت لینا
یہ سوئے آسمان جاتی ہے
موت اپنا خراج لینے کو
رُوح کے درمیان جاتی ہے
اک تری شکل دیکھ لینے سے
پورے دن کی تھکان جاتی ہے
میری ماں کا مزاج مت پوچھو
صرف باتوں سے مان جاتی ہے

پنجابی۔اکوراہ
جمشید مسرور

اکو راہ دے راہی نیں یار سارے
پینڈا گھٹ ہووے پینڈا ودھ ہووے
بھانویں ڈیریوں دور ہزار کوہاں
بھانویں ویہڑے دے وچ سرحد ہووے
چٹا دن ہووے کالی رات ہووے
اَدھی جت ہووے پوری مات ہووے
اینہاں گلاں دے نال کی فرق پینڈے
اکو راہ دے راہی نیں یار سارے
پتل گھٹ رکھیں تانبا گھٹ پانویں
کدی سونے سنیار نوں آکھیا اے؟
اجے وقت نئیں نوک ازمان والا
کدی سینے تلوار نوں آکھیا اے؟
تینوں چاک گھمان دی جاچ ای نئیں
کدی مٹی کمیار نوں آکھیا اے؟

معراج فیض آبادی

ہم غزل میں ترا چرچا نہیں ہونے دیتے
تیری یادوں کو بھی رُسوا نہیں ہونے دیتے
کچھ تو ہم خود بھی نہیں چاہتے شہرت اپنی
اور کچھ لوگ بھی ایسا نہیں ہونے دیتے
عظمتیں اپنے چراغوں کی بچانے کے لئے
ہم کسی گھر میں اُجالا نہیں ہونے دیتے
آج بھی گاؤں میں کچھ کچے مکانوں والے
گھر میں ہمسائے کے فاقہ نہیں ہونے دیتے
ذکر کرتے ہیں ترا نام نہیں لیتے ہیں
ہم سمندر کو جزیرہ نہیں ہونے دیتے
مجھ کو تھکنے نہیں دیتا یہ ضرورت کا پہاڑ
میرے بچے مجھے بوڑھا نہیں ہونے دیتے

سوچو ذرا (اُمتِ مسلمہ پر پے در پے
آفات کو دیکھ کر ایک دردمندانہ پیغام)

ارشاد عرشی ملک

بد سے بد تر کس لئے حالات ہیں سوچو ذرا
کیوں مسلسل نت نئی آفات ہیں سوچو ذرا
کیوں طلوع ہوتا نہیں سورج تمہارے واسطے
کس لئے منحوس سے دن رات ہیں سوچو ذرا
تم کو کس منزل پہ لے آئے یہ ناداں راہبر
ہر طرف ظلمات ہی ظلمات ہیں سوچو ذرا
دیس کو جنت بنانے کے وہ وعدے کیا ہوئے
کیا یہی فردوس کے باغات ہیں؟ سوچو ذرا
کیا خطا سرزد ہوئی تم سے جو یہ آلام ہیں
کس لئے سفاک سے لمحات ہیں سوچو ذرا
درجہ درجہ ذلتوں کی سمت تم بڑھتے رہے
اس سے آگے بھی کئی درجات ہیں سوچو ذرا
کس لئے پڑتا ہے تم پر روز و شب سوطِ عذاب
اس کے پیچھے کس کے مخفی ہاتھ ہیں سوچو ذرا
کیوں تمہیں ملتی نہیں توفیق استغفار کی
ذلتوں کے موسمِ برسات ہیں سوچو ذرا
وقت ہے اب بھی جہالت اور تعصب چھوڑ دو
تم پہ یہ دشمن لگائے گھات ہیں سوچو ذرا
کم نصیبوں تم سے کیوں ذوقِ تدبر چھن گیا
کیوں جہالت کی گھنی ظلمات ہیں سوچو ذرا
سارے دانشور تمہارے کس لئے لاچار ہیں
جاہ کی ان کو لگی لذات ہیں سوچو ذرا
جھولیاں پُر ہیں تمہاری حسرتوں کی دھول سے
بھوک و ذلت کی فقط سوغات ہیں سوچو ذرا
کون سے اشجار تم بوتے رہے ہو مدتوں
تلخ تر جن کے بہت ثمرات ہیں سوچو ذرا
کس نے پڑھائے ہیں تم کو نفرتوں کے یہ نصاب
کون سے دشمن تمہارے ساتھ ہیں سوچو ذرا
چھوڑ دو یہ مارا ماری یہ اکڑفوں ظالمو
اور پٹ جانے کے امکانات ہیں سوچو ذرا
قوم کو کچھ تو بتاؤ دین کے بیوپاریو
ان سے کیوں روٹھی ہوئی برکات ہیں سوچو ذرا
ٹوٹ پڑتا ہے خدا کا قہر کن اقوام پر ؟
کیا خدا کی سُنت و عادات ہیں سوچو ذرا
مہرباں جب ماں سے بھی بڑھ کر ہے ربِ ذوالجلال
پھر مسلسل کس لئے آفات ہیں سوچو ذرا
زلزلے سیلاب اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں

یہ خدا کے ہاتھ میں آلات ہیں سوچو ذرا
دیکھتا ہے کب بھلا سیلاب رنگ و نسل کو
اس کے آگے سب سُبک ذرّات ہیں سوچو ذرا
بھیک کے لُقمے کی خاطر بھی جہاں لڑنا پڑے
ذات والے بھی وہاں بد ذات ہیں سوچو ذرا
ہو کے اُمت مصطفیٰ کی کیوں ہیں مسکین و ذلیل
ہیں مسلماں عام یا سادات ہیں سوچو ذرا
تم نے دھتکارا نہ ہو اللہ کے مامور کو
کیوں مسلسل تم پہ یہ آفات ہیں سوچو ذرا
قومِ یونس کی طرح گریہ کرو سجدے کرو
گریہ زاری کے یہی اوقات ہیں سوچو ذرا
گرچہ اک کڑوی دوا کی شکل ہیں نغمے مری
کار آمد پر یہی نغمات ہیں سوچو ذرا
چھوڑ بھی عرشی پڑھے گا کون یہ پھیکی غزل
حُسن ہے نہ عشق کے جذبات ہیں سوچو ذرا

محمد اسحاق اطہر

فرشتہ ہوں نہ ہی شیطان ہوں میں
کہوں کیسے کہ اک انسان ہوں میں
خودی میں نفس کی بس مست سا ہوں
مرا کیا ہوگا بس انجان ہوں میں
بہت ہی زور بازو پر ہوں نازاں
حقیقت میں بہت نادان ہوں میں
بھری بستی میں بھی لگتا ہے ایسے
اکیلا اور پُر ہیجان ہوں میں
ہے فانی اک سرائے یہ جہاں بھی
کہ بس چند دن یہاں مہمان ہوں میں
میرے جینے کا ہے مدعا کیا
سمجھ آئے نہ کچھ حیران ہوں میں
وسوسے گھیریں ہیں دل کو آنکھ حیرانی میں ہے

سید معراج جامیؔ

زندگی کے حصار سے نکلا
یعنی گرد و غبار سے نکلا
جب بدن کے حصار سے نکلا
آپ کے انتظار سے نکلا
ایک طوفاں کھڑا کیا اس نے
اشک جب چشمِ یار سے نکلا
اب جو چاہو سو وہ سلوک کرو
دل مرے اختیار سے نکلا
شام ہوتے ہیں سایۂ ہستی
شجرِ سایہ دار سے نکلا
جب جلایا چراغِ جاں میں نے
اک ہیولا مزار سے نکلا
جس کو پھولوں میں ڈھونڈنا چاہا
عکس اس کا شرار سے نکلا
آج جامیؔ کو مل گئی معراج
سرخرو ہو کے دار سے نکلا

فوزیہ مغل (لاہور)

لمحہ لمحہ جو یہ خود کو مٹا رہی ہو تم
بھلا سکو گی نہ جس کو بھلا رہی ہو تم
تمہارے دل میں یہ کس کا خیال رہتا ہے
وہ بات کیا ہے جو سب سے چھپا رہی ہو تم
سلگ رہی ہو خموشی کی آگ میں تنہا
یہ کیسا وعدہ ہے جس کو نبھا رہی ہو تم
یہ زرد چہرہ یہ آنکھیں کہاں چھپاؤ گی ؟
جو راتیں ہجر کی تنہا بتا رہی ہو تم
منا بھی لوگی تو آخر وہ روٹھ جائیں گے
ادائے خاص سے جن کو منا رہی ہو تم

ماں، سوہن راہی (سربٹن)

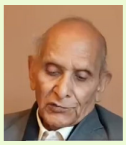

نکہتِ احساس کی تُو گنگناتی آبشار
تیری رحمت دے ہماری زندگانی کی بہار
تو حدیثِ دل کی حُرمت ، تو محبت کا وقار
تجھ سے روشن میری دنیا ماں ! تو حرفِ تابدار
پیکرِ اخلاص تُو اور تُو ہی شفقت، تُو ہی پیار
جسم میں تیرے ہونے سے ہی، رُوحِ آب دار
تا ابد ، ماں ! تیرا سایہ ہم پہ ایسے ہی رہے
جس طرح ہیں آسماں میں، چاند سورج ضوفشاں
جس طرح تاروں میں جھلمل چاندنی کا گیت ہے
وقت کے جھرنوں میں جیسے سانس کا سنگیت ہے
میرے ماہ و سال تیری ہی دُعا کا عکس ہیں
میرے سینہ مین تو تیری دھڑکنیں ہی رقص ہیں

ناظر فاروقی (لندن)

ارباب قلم کوئی برائی نہیں لکھتے
کس حال میں ہے آج خدائی نہیں لکھتے
بارود کی بُو جب سے خیالوں میں بسی ہے
ہم شعبدۂ دستِ حنائی نہیں لکھتے
سوئی ہوئی مخلوق پہ برسائی گئی موت
تاریخ میں سازش کو لڑائی نہیں لکھتے
اُس شہر مقدس میں جو ہے گنج شہیداں
شیطاں کی ہوئی کیسے رسائی نہیں لکھتے
مغموم ہیں، رنجیدہ ہیں ،بے چین ہیں لیکن
آفت جو قبیلوں کے سَر آئی نہیں لکھتے

اندھی سے یہ اصرار کہ مجرم کو بھی پہچان
کیوں شرط یہ منصف نے لگائی نہیں لکھتے
گھر جل گئے سب رات یہ سرخی تو جمادی
وہ آگ مگر کس نے لگائی نہیں لکھتے
جو فصل عداوت کی کھڑی ہے وہ دِکھا دی
وہ فصل یہاں کس نے اُگائی نہیں لکھتے

اشتیاق زینؔ (سلوؤ)

یہ عشق تو دریا ہے، ہر چیز بہا دے گا
باقی نہ رہے گا کچھ ، سب کچھ یہ مٹا دے گا
دامن کو بچا اس سے، ہے آگ کا یہ طوفاں
تُو موم کا پتلا ہے، تجھ کو یہ جلا دے گا
یہ پھول سا دِکھتا ہے، پر خار ہے جنگل کا
دھوکے میں نہ تُو آنا، بسمل یہ بنا دے گا
مدہوش جوانی کو، اب ہوش میں لے آ تُو
پھر ہاتھ نہ آئے گا، گر وقت گنوا دے گا
دن رات تُو تڑپے گا، جب ہجرِ مسلسل میں
پھر کس کو پکارے گا ، پھر کس کو صدا دے گا
تُو زینؔ بہت چنچل، ہے شوخ بھی تُو لیکن
یہ عشق کا غم تجھ کو، دیوانہ بنا دے گا

ڈاکٹر رحیم اللہ شادؔ

محبت کرنے والوں کا یہیں نام و نشاں ہوگا
جہاں وہ سرنگوں ہوں گے وہیں پہ آستاں ہوگا
محبت میں اگر ظاہر میرا راز نہاں ہوگا
میرے پیچھے یقینا ان کا کوئی راز داں ہوگا
زمیں بدلی ہوئی ہوگی اور بدلا آسماں ہوگا
’’نہ گردِ کارواں ہوگی نہ شورِ کارواں ہوگا‘‘

ہر اک محشر میں ہوگا اپنے ہی اعمال کا حامل
زمیں والوں کی نظروں میں عجب یہ اک سماں ہوگا
محبت میں ہمیشہ رازِ طشت ازبام ہی ہوگا
کبھی جاسوس یاں ہوگا کبھی جاسوس واں ہوگا
اگر گزرے گی میری زندگی شہرِ مدینہ میں
عبادت کے لئے اے شادؔ ان کا آستاں ہوگا

مبشر شہزاد احمد (گلاسگو)

ہر اک قدم پہ رہا تیرا انتظار آخر
ملا نہ ایک بھی لمحے کو پھر قرار آخر
مرے وجود کو پہلے تو گرد اس نے کیا
لگا سمیٹنے پھر مجھ کو انتشار آخر
ابھی تو خواب کا نشّہ ہے ذہن پر حاوی
کھُلے گی آنکھ تو نکلے گا یہ خمار آخر
تمام خوشبو تو راہوں میں بانٹ دی اس نے!
گلوں پہ کرنا نہ تھا ہم کو اعتبار آخر
یہ زندگی ہے مبشرؔ تو ختم ہونا ہے
کسی بھی سانس پہ ہوگا نہ اعتبار آخر

سبینہ سحر

مرے دل کا کوئی بھی غم مجھے سونے نہیں دیتا
مگر یہ ضبط ہے جو اب مجھے رونے نہیں دیتا
اگر اُس کی طرح ہرجائی ہونے کا میں سوچوں تو
مجھے ہرجائی میرا ظرف ہی ہونے نہیں دیتا
میں سونا چاہتی ہوں ہجر کی گہری اُداسی میں
مگر اک رتجگا ہے جو مجھے سونے نہیں دیتا
غموں کی رات طاری ہے مگر پھر بھی خماری ہے
سحرؔ کا اک نشہ ہے جو مجھے رونے نہیں دیتا

احمد منیب

دن کے سائے کی طرح تم سائے کا پیچھا کرو
رات کے بیدار مغزو! رات سے پردا کرو
ٹل رہا ہے چاند، سورج آسماں کو کھا گیا
آنکھ کے باریک نقطو! اِتنا مت پھیلا کرو
کوچۂ عشاق کے دستور پر قائم رہو
بس میں تم کو دیکھتا ہوں،تم مجھے دیکھا کرو
ہونٹ میرے اب مری تشنہ لبی کو آگئے
دل کے چھالوں کا لہو اب روز و شب چوسا کرو
خوبیٔ تقدیر سے اِک دائرے میں آ گئے
ابتدا اور انتہا کا ختم اب جھگڑا کرو
اِس شکستہ آرزو کو اَور ابھی خستہ کرو
ہوں مریضِ عشق مجھ کو وقت کا عیسیٰ کرو
اِس سے آگے آگہی میں ہو گی رُسوائی بہت
احتیاطاً سوچنا چھوڑو، نہ کچھ لکھا کرو

عذراؔ ناز، ریڈنگ

طاقت، دولت، شہرت پیچھے چھوڑ آئے ہیں
ہم ایسی ہر عادت پیچھے چھوڑ آئے ہیں
ورثے میں جو بھی دکھ ہیں بانٹے مت جائیں
ایسی ایک وصیت پیچھے چھوڑ آئے ہیں
سونے کو گر چھو لیں تو مٹی بن جائے
لگتا ہے ہم قسمت پیچھے چھوڑ آئے ہیں
جو اک مدت تک جھنجوڑ سکے ذہنوں کو
ہم وہ تلخ حقیقت پیچھے چھوڑ آئے ہیں
اپنی سوچوں پر پچھتائیں گے سب اک دن
گہری ایک ندامت پیچھے چھوڑ آئے ہیں

ایک قیامت تو درپیش ہمیں ہے اب بھی
اور ہم ایک قیامت پیچھے چھوڑ آئے ہیں
جس نے مدت تک ہم کو برباد کیا ہے
وہ خود غرض محبت پیچھے چھوڑ آئے ہیں

سلیم فگار (لندن)

جسموں کوز نجیر سے جکڑو
بیڑیاں پہن لو پاؤں میں
سروں پہموٹے قفل لگا کر
جھنڈیوں سے آنگن کو سجاؤ
سجدۂ شکر بھی کرنا ہے پر
مسجد میں جانے سے پہلے
اک پستول بھی جیب میں رکھ لو
گھر کے سب لوگوں سے مل لو
شائد پھر نہ واپس آؤ، لوٹ آؤ تو
گلی کے سب بچوں سے مل کر
آزادی کا جشن مناؤ
بچوں کو تو علم نہیں ہے
آزادی کے نام پہ ہم کو
کتنی لمبی قید ملی ہے

سائرہ بتول (لندن)

مجھے معلوم ہے سچ بولنا پڑے گا
فصیلِ جسم کے در کھولنا مہنگا پڑے گا
یہ مانا راہِ اُلفت میں ہزاروں ٹھوکریں ہیں
مگر سود و زیاں کو تولنا مہنگا پڑے گا
امیر شہر کو بھاتی نہیں شعلہ بیانی
وہ کہتا ہے مجھے منہ کھولنا مہنگا پڑے گا
مرے دشمن کی سازش ہوگئی ناکام اس کو
وطن میں زہرِ نفرت گھولنا مہنگا پڑے گا
بتولؔ اب ہو گئیں بے نور آنکھیں
مگر ظالم کی ضد ہے ، کھولنا مہنگا پڑے گا

امجد مرزا امجدؔ

کبھی راہزن رہنما ہو گیا
جو بندہ تھا وہ بھی خدا ہو گیا
کبھی قتلِ عام اُس نے برپا کیا
کبھی عشق میں وہ فنا ہو گیا
کبھی ظلم کی انتہا کر گیا
کبھی عین حق کی صدا ہو گیا
کبھی بیچ کھایا لباسِ وطن
کبھی اس پہ جاں سے فدا ہو گیا
کبھی تو تھا ترجمانِ عوام
کبھی مخلوق سے وہ جُدا ہو گیا

عائشہ غازی لندن

سوادِ درد پہ مائل سے بن کے پھرتے ہیں
ہم اپنے آپ ہی قاتل سے بن کے پھرتے ہیں
جو اس کی آنکھ میں ٹھہرے ہوئے سے آنسو تھے
وہ دل کے دشت پہ بادل سے بن کے پھرتے ہیں
ہمارے دل پہ ہوئیں نقش اُس کی تشبیہیں
کہ تشنہ برلبِ ساحل سے بن کے پھرتے ہیں
خزاں کی رُت میں لرزتا سا زرد برگ کوئی
ہم ایسے ہجر میں گھائل سے بن کے پھرتے ہیں
جو شخص سنگ اُٹھائے کھڑا ہے لوگوں میں
ہم اس کے عشق میں پاگل سے بن کے پھرتے ہیں
یہ دل بضد ہے کہ سب کھول کر بیاں کر دیں
سو دِل کی راہ میں حائل سے بن کے پھرتے ہیں

ڈاکٹر نعیم اشرف (پریسٹن)

حقیقتوں سے آشنا ہو رہا ہوں
دیکھ میں کیا سے کیا ہو رہا ہوں
اب نہیں اختلاف آپ سے رستے کا
ہم سفر! ہم نوا ہو رہا ہوں
ترس رہا تھا میں جام کو ساقی
آج خود ہی مئے کدہ ہو رہا ہوں
گرا ہوا ہوں تیرے نقشِ پا پر
جیتے جی خواب سا ہو رہا ہوں
نعیمؔ ہوں قفس کا غلام ابھی
کب کہا کہ پارسا ہو رہا ہوں

سیمی برلاس

اس سے بڑھ کر نہیں جرم ہوگا
اس سے بڑھ کر نہ کوئی بھی الزام ہے
میں صفائی میں اپنی بھلا کیا کہوں
بنتِ حوا ہوں میں یہ میرا جرم ہے
اسلئے تو رواجوں کی زنجیر میں
میرے اپنوں نے ہی مجھ کو باندھے رکھا
مجھ کو رشتوں کے میزان پر ناپتا
مجھ کو حصوں کی میراث میں بانٹتا
باپ، بھائی، شوہر ہو یا بیٹا میرا
ہر کوئی اِک کسوٹی پہ ہے جانچتا
میری اپنی کوئی زندگی ہی نہیں
میں فقط دوسروں کی ضرورت رہی

مجھ پہ دنیا زمانے کا الزام ہے
ابنِ آدم کا ہر جرم میرے نام ہے
میں صفائی میں اپنی بھلا کیا کہوں
بنتِ حوا ہوں میں یہ میرا جرم ہے

فرزانہ خان نیناں

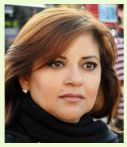

ہر گھڑی نہ جانے آس پاس رہتے ہو
تم عجیب موسم ہو بس اُداس رہتے ہو
کچھ بھرم تو رکھنا ہے اپنے دل کی دھڑکن کا
تم میرے نہیں مگر دل کے پاس رہتے ہو
میں تو ایک لڑکی ہوں قید میں محبت کی
تم کو کیا ہوا صاحب کیو ں نراس رہتے ہو
کیا کوئی نئی لڑکی آگئی ہے دفتر میں
آج کل زیادہ ہی خوش لباس رہتے ہو
حوصلہ نہیں مجھ کو یہ بتانے کا
جھیل جیسے نیناں میں مثل پیاس رہتے ہو

اے حق۔لندن

وہ ثریا کا مکیں لیکن اُجاگر ہوگیا
اور اندھیروں سے نکل کراب منور ہو گیا
وہ کسی کی آنکھ میں تو نہ سماتا تھا کبھی
گاڑ دی میں نے نظر تو ایک منظر ہو گیا
وہ نہیں سمجھا، ہے کیسا؟ ہجر کے پانی کا رنگ
درد کی آنکھوں سے نکلا تو سمندر ہو گیا
ہے کوئی جو لے سبق مجھ سے وصال و ہجر کا!
سوز اتنا بڑھ گیا کہ دل سخنور ہو گیا
اے عطاء الحق عجب تھا وہ بھی جگنو رات میں
ہاتھ میں آتے ہی نورِ ماہ و اختر ہو گیا

میں احسان دانش نے سوروپے کے کرنسی نوٹ پر قائداعظمؒ کی تصویر چھاپے جانے پر اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے یہ اشعار کہے۔!!

(احسان دانش)

دیکھوں، دیکھوں، کیا عجوبہ ہے، ذرا دینا اِدھر
قائدِ اعظم کی ہے تصویر سو کے نوٹ پر
ذہن بھٹکا ہے یہ کس کا، یہ ستم کس نے کیا؟
میری خوش طبعی میں شامل زہرِ غم کس نے کیا؟
مصلحت، کہہ کر زبانِ حال سی دی جائے گی؟
کیا اسی تصویر سے رشوت بھی لی، دی جائے گی؟
دل لرز اُٹھے، نہ کیوں اِس خواب کی تعبیر سے؟
رات دن ہو گی سمگلنگ بھی اسی تصویر سے؟
کیا مسلماں اس طرح بھی لائیں گے مجھ پر عذاب؟
کیا اسی تصویر سے جا کر خریدیں گے شراب؟
لوگ کیا کھیلیں گے میری رُوح کی تنویر سے؟
ملک بھر میں کیا جوا ہو گا اسی تصویر سے؟
کلمہ گو کیا یوں بھی لُوٹیں گے مرا صبر و قرار؟
کیا اِسی تصویر سے چکلوں میں ہو گا کاروبار؟
نوٹ پر تصویر دانش انحرافِ دین ہے
یہ جنابِ قائدِ اعظم کی اک توہین ہے

ٹیپو ارسل

سمجھ میں آ نہیں سکتے ہیں یہ جہاں والے
حساب کیا رکھیں گے سب یہاں ذیاں والے
دیا وفا کا مرے ہاتھ پہ رکھا ہے دیکھ
زرا سنبھل کے چلا کشتی بادباں والے
ترے فراق میں صحرا بھی چھان مارا ہے
میں ڈھونڈتا رہا رستے سبھی نشاں والے
سفر میں ہوں میں ازل سے یہاں بنانا کیا
کہ چھوڑ جائیں گے ان کو سبھی مکاں والے
ہے بن گئی یہ تو عادت کہ بانٹ دیں پانی
سنبھال رکھتے یہاں بحر بے کراں والے
کہ جام آنکھوں کے وہ اب کہاں سے لائیں ہم
یہاں سے جا چکے ہیں کب کے ہی دکاں والے
کہا تھا ساتھ رہیں گے ترے ہی اب ارسل
یہ آ کے دیکھ لو بندے ہیں ہم ذباں والے

*

چھوڑ کر اپنے سارے میخانے
تیری جانب چلے ہیں دیوانے
اپنی منزل ہے سنگ و خشت ہی اب
کتنے آئے ہیں گرچہ سمجھانے
ایک اس کو خبر نہیں میری
شہر کے لوگ کب ہیں انجانے
جن میں تیرا ہی زکر ہو سارا
کتنے دلکش ہیں سب وہ افسانے
کوئی کافر جو دیکھ لے تجھ کو
توڑ دے اپنے وہ صنم خانے
تیرگی مٹ ہی جائے گی لیکن
ساتھ جل جائیں گے یہ پروانے
ہم فقیروں کی خیر ہو ارسل
ہم سے آباد ہیں یہ ویرانے

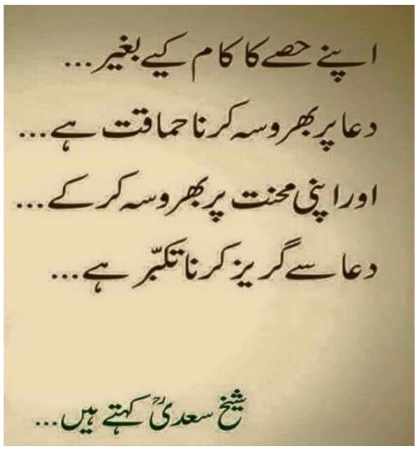

دس ہزار قدوسیوں کا لشکر

ابن لطیف

دس ہزار قدوسیوں کا لشکر لیکر خدا تعالی کا یہ فرستادہ مکہ کی طرف روانہ ہوا۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا کہنا ہے کہ آج یوں محسوس ہوتا تھا کہ مکہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائیگی خون کی ندیاں بہہ نکلیں گی اور تمام کفارِ مکہ کو جو حضور صلعم اور آپکے صحابہ کرامؓ پر ظلم ڈھاتے رہے بلااستثنٰی تہ تیغ کردیئے جائیں گے۔مگر جب آپ صلعم اپنی اُونٹنی پر شاہانہ انداز میں بیٹھے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے تو کفار مکہ جو اپنی موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے منڈلاتا دیکھ رہے تھے۔اپنے بیوی بچوں کو اپنی آنکھوں کے سامنے چشمِ تصور میں گائے بھینسوں کی طرح ذبح ہوتا دیکھ رہے تھے۔کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جوشِ جذبات میں اپنے اپنے دشمنوں سے گن گن کر بدلہ لینے کا سوچ رہے تھے۔اس ظالمانہ منظر کا تصور کرتے ہوئے اُنکے جسم کانپ رہے تھے تلواریں اُنکے ہاتھوں سے گری جارہی تھیں مگر کیا ہوا، وہ ہوا جسکی مثال آج زمانہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

مکہ کی حدود میں داخل ہوتے ہی فضا نعرہ تکبر کی صداؤں سے گونج اُٹھی اور ہر اہل لشکر کی زبان پر خدا تعالی کی حمد وثناء جاری تھی اور پھر خدا تعالی کا یہ مرسل صلعم اپنے مجاہدین سے یوں مخاطب ہوا۔سب جانثار ذہن نشین کر لیں ۔ فصلوں کو تباہ نہیں کرنا۔جانوروں کا قتل نہیں کرنا عورتوں پر ہاتھ نہیں اُٹھانا۔

جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرلے اُسکا پیچھا نہیں کرنا۔نہتے آدمی کے ساتھ اُلجھنا نہیں۔اور پھر آپ صلعم نے ابوسفیان جو قبول اسلام سے پہلے آپ کا جانی دشمن تھا اور حضرت بلالؓ جو ایک ادنی غلام تھے یہ کہہ کر کہ جو کوئی ان دونوں کے جھنڈوں تلے پناہ لے لے اُسے بھی کچھ نہ کہا جائے۔دراصل ابو صفیان کی دشمنی کو بھلا کر اور حضرت بلالؓ کی غلامانہ زندگی کو سامنے رکھتے ہوئے آپ صعلم نے انھیں کفار مکہ کے سامنے ایک مثال کے طور پر پیش کردیا کہ اسلام ۔کی آغوش میں آکر دشمن دشمن نہیں رہتا اور کوئی غلام غلام نہیں رہتا کیونکہ اسلام کی نظر میں سب برابر ہیں بڑائی صرف تقوی کے سبب ہے اور لا تثریب علیکم الیوم میں عام معافی کا اعلان بھی کردیا۔سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔

محترم جمیل الرحمن جمیل کہنہ مشق شاعر و ادیب

مابعد جدیدیت کے اُردو ادب کے علم برداروں نے بنیادی طور پر جس نکتے کو نظر انداز کیا۔وہ لفظ کی جوہری طاقت (اس کے چھوٹے اور طویل مصوتے اور مصمتے ،کلام یا تحریر میں اُن کا توازن وتناسب،ان کی نحوی ترتیب سے پھوٹتی مقناطیسیت) تھا۔وہ یہ بھول گئے کہ ادب فلسفہ نہیں ہے۔ادب کا پہلا اور آخری سروکار لفظ ہی سے ہے۔اور لفظ التوائے معنی کا شکار اس لیے نہیں ہوتا کہ تفریقی رشتے سے پہچانے جانے کے باوصف اپنی لسانی حیثیت میں معنی نما ہونے کے باوجود وہ اپنے تفاعل میں زبان کی حیثیت سے غائب نہیں ہوتا بلکہ شے یا تصور کے حوالے سے زبان کا قائم مقام بن کر موجود رہتا ہے۔یہ معنی سے ناواقف شعور ہے جو اصل معنی کا وقوف نہ ہونے کے باعث اس کی تلاش میں دیگر خطوں کو روانہ ہوتا ہے۔ورنہ گفتگو کرنے یا تحریر پڑھنے کے دوران اگر زبان شعوری یا لاشعوری سطح پر غائب ہوسکتی تو غٹرغوں کرنے یا ٹامک ٹوئیاں مارنے کے علاوہ آدمی اور کیا کرسکتا تھا۔اسی لیے نوام چومسکی نے اہلیت اور کارکردگی کے حوالے سیز بان کا جو تصور پیش کیا۔وہ ادب سے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔

ہمارے تخلیق کاروں نے ،،دریدا،، کے التوائے معنی کے فلسفہ سے اوٹ پٹانگ خیالات اَخذ کرکے اوٹ پٹانگ تحریریں لکھنے اور املا کی ایسی تیسی کرنے کا جو چلن اختیار کرلیا ہے۔وہ یہ بتانے کے لیے کافی ہے کہ وہ فلسفہءلسان سے کیا مراد لیتے ہیں۔بجائے اس کے کہ وہ لسانیات کے جدید تصورات کی مدد سیاپنی ادبی زبان کی کارکردگی کو بہتر سے بہترین بنانے کی کوشش کرتے۔نیم حکیموں کی طرح اسی کی بربادی کے درپے ہوگئے ہیں۔کیا پچھلے 40 برسوں نے ایک بھی ایسا ادیب پیدا کیا ہے۔جو محمد حسین آزاد،مشتاق احمد یوسفی یا ساقی فاروقی جیسی نثر لکھنے پر قادر ہو۔(قول الجمیل)

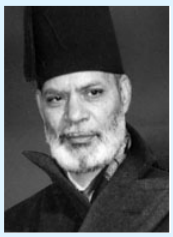

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان وزیر خارجہ پاکستان وصدر عالمی عدالت انصاف ہیگ ہالینڈ

شہزادی عابدہ سلطانہ والئی بھوپال کی ولی عہد

میں سر ظفر اللہ سے پہلی دفعہ اس وقت ملی جب وہ ہز ہائی نس کے مشیر کی حیثیت سے بھوپال آئے ہوئے تھے۔ 1944ء سے 1947ء کے درمیاں ہز ہائی نیس شہزادوں کے ایوان کے سربراہ تھے۔ بحیثیت بھوپال کابینہ کا صدر اور ریاست کے ولی عہد مَیں ظفر اللہ خان سے لمبی لمبی گفتگو کیا کرتی تھی۔ یہی وہ دور تھا جب میں اُن کی اعلیٰ دانش خُدا پرستی اور انسانیت دوستی سے آگاہ ہوئی۔ احمدی ہونے کے ناطے ظفر اللہ خان بھوپال میں ایک غیر معمولی چیز تھے کیونکہ بھوپال میں شاید ہی کوئی دوسرا کوئی احمدی تھا۔ مگر ذاتی عقائد کا ہمارے معاشرے میں احترام کیا جاتا تھا۔ پاکستان اور بھارت اپنی آزادی حاصل کرنے کے اول سالوں میں ظفر اللہ خان ایک مضبوط پاکستان کے حصول کے لئے کام کر رہے تھے اور برصغیر میں ایک تیسرے بلاک کے وجود کے لئے انہوں نے شاہی ریاستوں کے یکجا ہونے کا نظریہ بھی دیا۔ ظفر اللہ خان اپنے ''راجستھان کے تصور پر دلجمعی سے کام کر رہے تھے اور یکجائی کے طریقہ کار اور ساخت پر ہز ہائی نیس کے مشیر اعلیٰ تھے۔ سر ظفر اللہ خان کا خیال تھا کہ اس طرح کے تیسرے بلاک کے وجود سے پاکستان کے خلاف بھارت کے بڑھتے ہوئے وزن کے مقابلے میں توازن آجائے گا۔ اگر چہ اس وقت دنیا کے نقشہ پر پاکستان کا وجود نہیں تھا مگر ظفر اللہ خان تبھی سے اس کی مضبوطی کے لئے ذمہ داری کا مظاہرہ کر رہے تھے۔ میری بعد کی ملاقاتیں سر ظفر اللہ خان سے پاکستان میں ہوئیں جب وہ وزیر خارجہ تھے۔ خاص کر 1954ء میں جب اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں مَیں پاکستانی وفد کی رکن تھی اور وہ اس کے سربراہ تھے۔ ظفر اللہ خان کے ساتھ اتنے قریب رہ کر کام کرنے کے بعد میں اُن کی ذمہ داری اور پاکستان سے محبت کی معترف ہوگئی۔ ذیابیطس کا مریض ہونے کے باوجود روزانہ اٹھارہ گھنٹے پاکستان کے لئے کام کرتے۔ چند گھنٹوں کے لئے پاکستان کے اقوام متحدہ میں واقع دفتر میں ایک چھوٹے سے کمرے میں سو لیتے تا کہ پانچ ستاروں والے ہوٹل کے اخراجات سے بچ جائیں۔ ان کی حیران کن دانش مندی اور ذہانت نے انہوں اقوام متحدہ میں جمع دیگر وزرائے خارجہ کے درمیان ایک امتیازی حیثیت دی تھی۔ ظفر اللہ خان نے ان کے سامنے پاکستان کا کیس مدلل طریقے سے پیش کیا۔ کرشنا مینن کے ساتھ کشمیر کے مسئلہ پر اُن کی آٹھ آٹھ گھنٹے کی بحث و تکرار اقوام متحدہ کا موضوع بن گئی تھیں۔ یہ تقاریر ظفر اللہ خان نے انتہائی مہارت سے خود تیار کی تھیں۔ وہ جارحانہ ہوتیں مگر ان میں ذاتی رنجش کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ انہیں تفصیلات پر پورا عبور ہوتا جو اقوام متحدہ کی ہر کمیٹی کی تازہ کیفیت سے اُن کی واقفیت اور پاکستانی نمائندوں کو اُن کی ذاتی کمیٹیوں کے بارے میں اُن کی باقاعدہ رہنمائی سے صاف ظاہر تھا۔ سر ظفر اللہ خان ایک غیر مشہور انسان تھے۔ انہیں اُن کے عقائد کی وجہ سے نشانہ بنایا گیا جسے انہوں نے تحمل اور وقار سے برداشت کیا۔ اس تذلل کے باوجود وہ اسلام اور پاکستان کے مقاصد کے لئے اپنے اختیار کئے ہوئے راستے سے کبھی نہ بھٹکے۔ عرب دنیا میں اُن کا اتنا احترام کیا جاتا تھا۔ خاص طور پر شمالی افریقہ اور مشرقِ وسطی میں کئی عشرے گذرنے کے بعد عرب خاندان اُن کے نام سے اچھی طرح واقف تھے۔ میاں نے مجھے بتایا کہ جب 1962ء سے 1966ء تک تیونس میں خدمات سرانجام دے رہے تھے تو بہت سے تیونسیوں نے اپنے بیٹوں کا نام ظفر اللہ رکھا ہوا تھا اور یہ کہ جب کسی پاکستانی سے شمالی افریقن کے پہلی ملاقات ہوتو وہ نہایت تحسین آمیز الفاظ میں ظفر اللہ خان کے عرب ممالک اور مسلم اُمنگوں کو دُنیا کے سامنے پیش کرنے کو سراہتا ہے۔ میاں نے بتایا کہ ظفر اللہ خان کا اُردن اور مشرقِ وسطیٰ میں بھی اسی طرح احترام کیا جاتا تھا۔ یہ بلا شبہ سچ ہے کہ ظفر اللہ خان پکے احمدی تھے لیکن وہ احمدی مقاصد کے لئے ان کے حمایت اس حد تک ہوتی تھی کہ مہینے کے آخر میں وہ اپنی تنخواہ میں سے جتنی زیادہ سے زیادہ رقم بچا سکتے تھے اس کا زیادہ حصہ وہ ربوہ بھجوا دیتے تھے۔ کفایت شعاری جس کے لئے سر ظفر اللہ خان مشہور تھے وہ اُن کی اسی لگن کی وجہ سے تھی نہ کے ذاتی مفاد کے لئے۔ میں ظفر اللہ خان کو اُن کی حُب الوطنی اور اُن کی غیر معمولی صلاحیتوں کی بناء پر یاد رکھوں گی۔ وہ با اُصول تھے اپنے مقاصد کے لئے وقف، مہربان، زیرک، اُن کا مطالعہ بے حد وسیع تھے اور اُن میں ایک عجب صلاحیت یہ تھی کہ وہ سیکنڈز کے اندر ایک پورا صفحہ پڑھ لیتے تھے۔ جیسے وہ پڑھتے نہ ہوں اُن کا دماغ پورے صفحہ کی تصویر لے لیتا ہو۔ سب سے بڑی بات ظفر اللہ خان ایک منکسر المزاج۔ ہمدرد، تیز فہم۔ شخص تھے۔ میں پاکستان کے لئے یہ قابل شرم سمجھتی ہوں کہ ان کے ذاتی عقائد کی بنا پر اُن کی عظیم خدمات پر پردہ ڈالا گیا اور اس طرح اُن کی خوبیوں کو قوم سے چھپایا گیا۔ یہی عصبیت واحد انعام یافتہ سائنسدان پروفیسر عبدالسلام پر نازل ہوئی۔

(اقتباس از ''ایک انقلابی خاتون کی سرگزشت'')

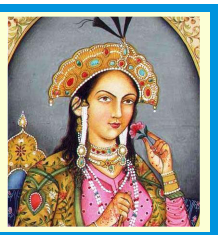

ملکہ نور جہاں

فضل
عمر ڈوگر

میں نے سارا لاہور خرید لیا ہے'' یہ کہنا تھا مغل سلطنت کی انتہائی طاقتور ملکہ نور جہاں کا، ملکہ نور جہاں تاریخ کے اوراق پر نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر کے ممالک اور ہر دور کی خواتین میں ایک الگ حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔شہنشاہ جہانگیر کے عہد میں ان کے نام کا سکہ بھی جاری کیا گیا۔اس سکے کی قیمت بادشاہ کے اپنے سکے سے بھی زائد تھی۔عہد جہانگیری میں بادشاہ کے ہر اہم فیصلے کے پیچھے نور جہاں ہی کا ہاتھ ہوتا تھا۔نور جہاں کی شہرت کا ایک سبب جہانگیر کی زندگی کے افسانوی عشق کا مرکزی کردار بھی ہونا ہے۔دربار کی سیاست میں نور جہاں کے اثر و رسوخ کے باعث ملکہ کے قریبی رشتے دار انتہائی اہم عہدوں پر فائز تھے اور اہل ایران کا مغلیہ دربار میں بہت زیادہ عمل دخل جاری رہا۔وزارت عظمٰی، سپہ سالاری اور بنگال کی گورنری تک نور جہاں کے قریبی رشتے داروں کے قبضے میں تھی۔ یہاں تک کہ ملکہ کی دائی کو صدر النساء کا خطاب عطا کیا گیا۔نور جہاں کی ابتدائی زندگی پر نظر دوڑائی جائے تو وہ کسی بھی ہندوستانی فلم کی کہانی کی مانند دکھائی دیتی ہے۔نور جہاں کے والد کا نام مرزا غیاث بیگ تھا جو کہ ایران کے شہر تہران کے ایک انتہائی معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے والد کا نام خواجہ محمد شریف تھا جو کہ شہر کی معزز شخصیات میں شمار کیے جاتے تھے۔

ان کی وفات کے بعد مرزا غیاث بیگ کے حالات تیزی سے تبدیل ہوتے گئے یہاں تک کہ تنگئی حالات کے باعث انہیں مجبوراً ایران سے ہندوستان کی جانب ہجرت کرنا پڑی۔مرزا غیاث بیگ اپنے دو بیٹوں، ایک بیٹی اور بمعہ حاملہ بیوی کے ہندوستان کو روانہ ہوئے۔ روایات کے مطابق قندھار کے قریب ان کی بیوی نے ایک لڑکی کو جنم دیا اور اس کا نام مہرالنساء رکھا۔مہرالنساء کے لفظی معنی ''عورت کا سورج'' کے ہیں اور یہ معنی آنے والے دنوں میں سچ ثابت ہوئے۔لیکن اس وقت تنگی حالات، مجبوری اور افلاس سے مجبور ہو کر مرزا غیاث بیگ نے اپنی بیٹی کو ایک کپڑے کے ٹکڑے میں لپیٹا اور ایک درخت کے نیچے لٹا دیا اور آگے روانہ ہو گئے۔ تقدیر کی کرنی کچھ یوں ہوئی کہ اسی دوران وہاں سے ایک قافلہ گزرا۔لوگوں نے بچی کے رونے کی آواز سنی تو انہوں نے بچی کو سالار قافلہ ملک مسعود کے حوالے کر دیا۔جب قافلہ آگے بڑھا تو راستے میں ملک مسعود کی مرزا غیاث بیگ اور ان کی اہلیہ سے ملاقات ہوئی۔ملک مسعود نے ان کی کچھ مالی مدد کی اور اس مدد کے عوض بچی کی آیا، بچی کی حقیقی ماں ہی منتخب ہوئی۔

ملک مسعود کی دربار اکبری تک رسائی تھی۔ان ہی کے توسط سے مرزا غیاث کو دربار میں نوکری بھی مل گئی۔دربار کے مروجہ اصولوں کے باعث مرزا غیاث بیگ کی اہلیہ بھی اکبر شاہی بیگمات کو سلام کرنے دربار اور محلات جایا کرتی تھی۔ یوں مہرالنساء کا بچپن اپنی ماں کے ساتھ درباری اور محلاتی امور سیکھنے میں گزرا اور اس نے جوانی کی حدود میں قدم رکھنے شروع کر دیئے۔جب مہرالنساء کی عمر کوئی تیرہ چودہ برس کی تھی تو شہنشاہ اکبر کی لاہور آمد ہوئی تو ان کے ایک درباری قاسم خاں نے دلکشا باغ میں ایک مینا بازار لگوایا۔کچھ روایات میں ان کا باغ موجودہ گورنر ہاؤس والی جگہ پر تھا اور کچھ روایات میں شالامار باغ کی جگہ پر موجود پرانے باغ میں اسی مینا بازار میں شہزادہ سلیم اور مہرالنساء کی، پہلی ملاقات ہوئی۔شہزادے سلیم نے مہرالنساء کو دو کبوتر پکڑائے اور تیسرے کبوتر کے پیچھے بھاگ گیا۔کچھ دیر بعد شہزادہ جب واپس آیا تو مہرالنساء کے ہاتھ سے ایک کبوتر اڑ چکا تھا۔شہزادے نے جب غصے سے کبوتر کے اڑ جانے کے متعلق دریافت کیا کہ وہ کس طرح اڑ گیا تو مہرالنساء نے دوسرا کبوتر بھی ہاتھ سے چھوڑ دیا اور کہا کہ اس طرح۔مہرالنساء کے اس دلفریب انداز کو شہزادہ سلیم آخری دم تک نہ بھول سکا۔سلیم کی دلچسپی جب مہرالنساء میں بڑھی تو شہنشاہ اکبر کے حکم پر مہرالنساء کی شادی علی قلی خان کے ساتھ کر دی گئی۔بعد ازاں اسے شیر افگن کا خطاب عطا کر کے بنگال بھجوا دیا گیا۔بنگال ہی میں مہرالنساء نے اپنی اکلوتی بیٹی لاڈلی بیگم کو جنم دیا اور اس کے بعد وہ تمام عمر کسی دوسرے بچے کی ماں نہ بن سکی۔لاڈلی بیگم کی شادی جہانگیر ہی کے پانچویں بیٹے شہریار سے ہوئی جو کہ ایک ہندو دائی کے بطن سے تھا۔ مہرالنساء اور شہزادے سلیم کی دربار میں ملاقات کے بارے میں کئی مؤرخین نے تحریر کیا۔اس کی کچھ تفصیل اطالوی سیاح منوکی نے بھی تحریر کی۔اس کے

مطابق اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر نے جب تاج وتخت سنبھالا تو وہ لاہور ہی میں دریائے راوی کے کنارے اپنے تعمیر کردہ ایک محل میں موسم سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اس نے ایک پردہ دار کشتی کو آتے دیکھا جس میں ایک انتہائی خوبصورت خاتون بیٹھی تھی۔ دل پھینک جہانگیر نے جب اس خاتون کے بارے میں تفصیل جانیں تو معلوم ہوا کہ وہ خاتون اس کے بچپن کی پسند مہرالنساء تھی جو کہ اس وقت زوجہ شیرافگن تھی۔ جہانگیر نے شیرافگن کو اپنے سوتیلے بھائی قطب الدین کے ہاتھ پیغام بھجوایا کہ وہ مہرالنساء کو آزاد (طلاق) کردے۔ شیرافگن نے نہ صرف انکار کردیا بلکہ قطب الدین کو قتل بھی کردیا۔ جہانگیر نے بعدازاں شیرافگن کو ایک سازش کے ذریعے پٹنہ میں قتل کرادیا اور مہرالنساء کو گرفتار کرکے آگرہ بھجوادیا گیا۔ جہانگیر کو مہرالنساء کو شادی کے لیے راضی کرنے کے لیے چار برس کا طویل عرصہ لگا۔ چار برس کے بعد مہرالنساء نے شادی کے لیے ہاں کی اور اس وقت اس کی عمر جہانگیر سے دو برس زیادہ تھی۔ شادی کے کچھ عرصہ بعد مہرالنساء کو نورمحل کا خطاب عطا کیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد نورمحل کو نورجہاں کا خطاب دیا گیا اور اس کے نام کا سکہ بھی جاری کیا گیا جس پر بارہ بُرجوں کی شکل کندہ تھی۔ نورجہاں جو کہ درباری اور ملاقاتی امور پر بھرپور دسترس رکھتی تھی۔ اس میں ملکہ خاص بننے کی تمام صلاحیتیں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ شہنشاہ جہانگیر کی زندگی کا مرکز محض نورجہاں تھی اور عنان حکومت نورجہاں کے حوالے تھے۔ جہانگیر نے اپنی کتاب تزک جہانگیری میں خود یوں تحریر کیا۔ ''میں نے سلطنت نورجہاں کو سونپ دی۔ مجھے صرف ایک سیر شراب، آدھ سیر گوشت کے سوا کوئی چیز درکار نہیں۔'' نورجہاں اپنی خوبصورتی میں بھی بے مثال تھی۔ رنگ گورا، ناک تیکھی، باریک اور آنکھیں موٹی تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں بے پناہ عقلی اوصاف بھی موجود تھے۔ اپنی مادری زبان فارسی کے ساتھ ساتھ ترکی زبان کی بھی ماہر تھی۔ فارسی میں شعر کہتی تھی۔ فارسی کی کئی نظموں کی موسیقی خود ترتیب دی۔ خواتین کے ملبوسات اور زیورات کی تیاری میں نت نئے تجربات بھی کرتی تھی۔ نورجہاں کو عطر گلاب کا موجد ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

ملکہ، بادشاہ کے ساتھ اکثر دلکشا باغ کے حوض میں عرق گلاب ڈلوا کر غسل کیا کرتی تھی۔ ایک دن دونوں حوض کے کنارے کھڑے تھے کہ دھوپ کی شدت سے عرق گلاب سے بلبلے اٹھنے لگے۔ ملکہ نے جب عرق گلاب کو سونگھا تو وہ عطر کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اس اتفاقیہ تجربے سے اس نے عطر بنانے کا طریقہ بھی سیکھا۔ (مورخین کی ایک بڑی تعداد اس پر متفق ہے کہ نورجہاں اس کی موجد ہے لیکن تزک جہانگیری میں یہ واقعہ نورجہاں کی والدہ سے منسوب ہے) نورجہاں ایک ایشیائی دلیر خاتون بھی تھیں۔ کئی مہمات اور شکار پر وہ بادشاہ کے ہمراہ ہوتی تھیں۔ تزک جہانگیری میں نورجہاں کے ہاتھوں چار شیر مارے جانے کا بھی واقعہ درج ہے جو کہ ایک ہی شکار میں چار شیر مارے گئے تھے۔

جہانگیر کے آخری ایام میں جانشینی کی جنگ چھڑ گئی۔ نورجہاں جہانگیر کے بیٹے شہریار کو والی تخت بنانا چاہتی تھیں جو کہ ان کی اکلوتی بیٹی لاڈلی بیگم کا شوہر بھی تھا۔ دوسری جانب تخت کا وارث شہزادہ خرم بننا چاہتا تھا جو کہ نورجہاں ہی کے بھائی آصف جاہ کا داماد اور بھانجی ممتازمحل کا شوہر تھا۔

نورجہاں کی کوششوں کے سبب شہزادہ خرم جس کو شاہ جہاں کا خطاب ملا تھا اس کو جہانگیر نے بے دولت کا خطاب دیا اور آصف جاہ جو کہ ایک بادشاہ گر شخص تھے ان کی کوششوں کے سبب شہریار کی آنکھوں میں سلائیاں پھیر دی گئیں اور بعدازاں قتل کردیا گیا۔ مغل عہد میں شہزادے پیدا ہوتے ہی دنیا کے انتہائی خوش قسمت انسان یا انتہائی بدقسمت انسان ٹھہرے کیونکہ ان کا انجام یا تخت پر ہوا یا تختہ پر ہوا۔ آصف جاہ نے حالات کو سنبھالنے کی خاطر اپنی سگی اور محسن بہن نورجہاں کو قید میں ڈالنے سے بھی گریزاں نہ کیا۔ امور سلطنت پر مکمل قابو پانے کے بعد شاہ جہاں نے انتہائی احترام کے ساتھ ملکہ کو آزاد کردیا۔ شوہر اور داماد کی موت کے بعد نورجہاں نے امور مملکت سے مکمل طور پر کنارہ کشی کرلی۔ زندگی گزارنے کے لیے نورجہاں کے باپ اور شوہر کی چھوڑی جائیداد ہی کافی تھی۔ لیکن شاہ جہاں نے بصد احترام ان کے لیے دو لاکھ روپیہ سالانہ وظیفہ مقرر کیا جو کہ اس عہد کی ایک کثیر ترین رقم تھی۔ ترک سلطنت امور کے بعد نورجہاں نے غریب اور یتیم لڑکیوں کی بہبود کے لیے بہت کام کیا اور سینکڑوں لڑکیاں اپنے ہاتھ سے بیاہیں۔ نورجہاں، جہانگیر کی وفات کے بعد اٹھارہ برس تک زندہ رہیں اور 72 برس کی عمر میں وفات پائی۔ تاریخ کی کچھ کتب میں 29 شوال 1055ھ بمطابق 1645ء ہے اور کچھ کتب میں ماہ ربیع الثانی بروز شنبہ 1055ھ بمطابق 28 مئی 1645ء ہے۔ انہیں لاہور میں انہی کے تیار کردہ مقبرے میں دفن کیا گیا۔ ان کی اپنی بیٹی لاڈلی بیگم سے محبت بھی انمٹ تھی۔ دونوں ماں بیٹی ایک ہی جگہ ایک مقبرے میں دفن ہوئیں۔

***

نیا پاکستان مبارک ہو

ذوالفقار علی بھٹو مزدوروں' کسانوں اور نچلے درجے کے ملازموں کو اپنا سیاسی اثاثہ سمجھتے تھے چنانچہ انہوں نے ان لوگوں کیلئے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے اور اس ''سب کچھ'' میں ایمپلائرز اولڈ ایج بینفٹ انسٹی ٹیوشن کا قیام بھی شامل تھا' یہ ادارہ عرف عام میں ای او بی آئی کہلاتا ہے' یہ ادارہ مقاصد کے لحاظ سے شاندار تھا' قانون کے مطابق ملک کے تمام پرائیویٹ ادارے اپنے تمام ملازمین کی تنخواہوں کا ایک حصہ ای او بی آئی میں جمع کراتے تھے' حکومت اس حصے کے برابر اپنی طرف سے رقم جمع کرا دیتی تھی' اس رقم سے سرمایہ کاری کی جاتی تھی' پیسے سے پیسہ بنتا تھا اور یہ پیسہ آخر میں ان لوگوں کو واپس کر دیا جاتا تھا جن کی تنخواہوں سے کٹتا تھا' پرائیویٹ ملازمین کو ریٹائرمنٹ کے بعد اس فنڈ سے سرکاری ملازمین کے برابر پنشن ملتی تھی' یہ اگر دوران ملازمت معذور ہو جاتے تھے تو انہیں اس فنڈ سے باعزت معذوری وظیفہ بھی ملتا تھا اور یہ اگر انتقال کر جاتے تھے تو ان کے خاندان کو ان کی تنخواہ کے برابر ماہانہ امداد ملتی رہتی تھی' ای او بی آئی میں رجسٹرڈ تمام ملازمین پندرہ سال کے بعد پینشن کے اہل ہو جاتے تھے' 1976ء سے اب تک 71 لاکھ 38 ہزار مزدور اس ادارے میں رجسٹر ہوئے' یہ ایک شاندار ادارہ تھا لیکن یہ ادارہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ دوسرے ملکی اداروں کی طرح زوال کا شکار ہوتا چلا گیا' ادارے کو پہلی زک سیٹھوں نے پہنچائی' یہ اپنے ملازمین کو پورے حقوق نہیں دینا چاہتے تھے' یہ اپنے صرف دس فیصد ملازمین کو ای او بی آئی میں رجسٹرڈ کراتے تھے جبکہ ادارے کو دوسرا نقصان حکومت نے پہنچایا' بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور میں 1995ء میں حکومت نے اپنا شیئر بند کر دیا یوں یہ ادارہ آہستہ آہستہ سسکنے لگا لیکن یہ اس کے باوجود ملک کا امیر ترین ادارہ تھا' یہ ملک بھر میں 238 ارب روپے کی جائیداد اور 150 ارب روپے کے نقد فنڈز کا مالک تھا' یہ فنڈز اور یہ جائیدادیں 2009ء تک محفوظ رہیں لیکن پھر پاکستان پیپلز پارٹی کا تیسرا دور آ گیا اور یہ فنڈز اور یہ جائیدادیں گوندل فیملی کے ہتھے چڑھ گئیں۔ ہم آگے چلنے سے قبل گوندل فیملی کا جائزہ لیں گے' گوندل منڈی بہاؤالدین سے تعلق رکھتے ہیں' نذر محمد گوندل پاکستان پیپلز پارٹی کے ڈائی ہارٹ جیالے تھے' یہ دو بار کے ڈائی ہارٹ جیالے تھے' یہ دو بار پارٹی کے ٹکٹ پر ایم این اے بنے' یہ جنرل پرویز مشرف کے دور میں ضلع ناظم بھی رہے' یہ ندیم افضل چن کے قریبی رشتہ دار ہیں' چن فیملی بھی علاقے میں انتہائی بااثر ہے' نذر گوندل کے ایک بھائی ظفر محمد گوندل نیشنل ہائی وے اتھارٹی کے ممبر تھے' یوسف رضا گیلانی کی حکومت آئی تو نذر محمد گوندل خوراک و زراعت کے وفاقی وزیر بن گئے'

وزارت کے دوران نذر محمد گوندل پر کرپشن کے بے شمار الزامات لگے' ان پر رشوت کے الزامات بھی لگے' اختیارات سے تجاوز اور اقرباء پروری کا الزام بھی لگا' گوندل صاحب نے 61 لوگ میرٹ کے بغیر بھرتی کئے اور یہ درجنوں سرکاری لگژری گاڑیاں بھی اپنے خاندان میں بانٹتے پائے گئے' دوسری طرف ان کے بھائی ظفر محمد گوندل نے نیشنل ہائی وے اتھارٹی میں نوٹوں کی فیکٹری لگا دی' ظفر گوندل کی کرپشن کی داستانیں اتنی عام ہو گئیں کہ یوسف رضا گیلانی بھی نوٹس لینے پر مجبور ہو گئے' گیلانی صاحب نے انہیں این ایچ اے سے ہٹا دیا' نذر محمد گوندل آگے آگے' وزیراعظم سے ملے' اپنی پورا زور لگایا' ایوان صدر سے فون کرایا اور ظفر گوندل کو ای او بی آئی کا چیئرمین لگوا دیا اور یہاں سے عجب کرپشن کی غضب کہانی شروع ہو گئی' ظفر محمد گوندل نے ''ای او بی آئی'' میں اتنی کرپشن کی کہ کرپشن کو بھی شرم آ گئی' ظفر گوندل نے ملک کے مختلف شہروں میں پندرہ گنا زیادہ قیمت پر ای او بی آئی کیلئے جائیدادیں خریدنا شروع کر دیں' بورڈ آف ٹرسٹیز کے بغیر ڈی ایچ اے سے معاہدہ کیا' اسلام آباد میں دگنی قیمت پر کراؤن پلازہ خرید لیا' سی ڈی اے سے مہنگے پلاٹ اُٹھا لئے' لاہور اور کراچی میں ہوٹل اور زمینیں خرید لیں' موٹروے کی ایم نائین کی تعمیر میں اربوں روپے سمیٹے اور نوکریاں بیچنا شروع کر دیں' ظفر گوندل نے شوکت ترین کے بینک سلک بینک میں 37 کروڑ اور شیری رحمان کے شوہر کے بینک تعمیر مائیکروفنانس میں 41 کروڑ روپے جمع کرا دیئے' قانون اس کی اجازت نہیں دیتا تھا' ظفر گوندل کا طریقہ کار بہت دلچسپ تھا' یہ پراپرٹی پسند کرتے تھے' اسے مارکیٹ سے دوگنا' تین گنا اور بعض اوقات 15 گنا قیمت پر خرید لیتے تھے' مالک کو اصل قیمت سے سوا یا ڈیڑھ گنا زیادہ رقم دیتے

تھے اور باقی رقم اپنی جیب میں ڈال لیتے تھے' یہ سمارٹ آدمی ہیں' یہ اس دور میں ہر اس شخص کو شریک جرم بناتے رہے جس کے اقتدار میں آنے کا امکان تھا' مثلاً یہ چند سودوں میں یوسف رضا گیلانی کے صاحبزادوں کے پارٹنر تھے' یہ چودھری صاحبان کے صاحبزادوں بالخصوص مونس الٰہی کے پارٹنر بھی رہے' انہوں نے لاہور میں علیم خان سے بھی پلازہ خریدا اور یہ خواجہ سعد رفیق کے ایک پارٹنر کے بھی پارٹنر رہے اور وہ پارٹنر آگے چل کر علیم خان کا بھی پارٹنر تھا' یہ ڈی ایچ اے کے ساتھ بھی سودے کرتے رہے اور یہ اسلام آباد میں فیصل سخی بٹ کے ساتھ بھی حصہ دار رہے اور یہ کراچی میں ایم کیو ایم کی ''مدد'' بھی کرتے رہے'۔

ظفر محمد گوندل کے خلاف 29 جون 2013ء کو سوؤ موٹو نوٹس ہوا' نیب ایکٹو ہوا اور ان کے خلاف کرپشن کے 18 مقدمات بن گئے' ان پر خزانے کو 42 ارب روپے نقصان پہنچانے کا الزام تھا' یہ اس کے بعد فرار ہوتے رہے' گرفتار ہوتے رہے' لوگوں کو خریدتے رہے' پھنستے رہے' بچتے رہے یہاں تک کہ یہ 23 ستمبر 2014ء کو سپریم کورٹ کے احاطے سے گرفتار کر ہو گئے' ظفر گوندل کی گرفتاری کے بعد نیا سلسلہ شروع ہو گیا' نذر محمد گوندل نے خواجہ سعد رفیق سے مدد طلب کی لیکن سعد رفیق نے انکار کر دیا' یہ اس کے بعد ندیم افضل چن کے ساتھ وزیر داخلہ چودھری نثار کے پاس گئے' چودھری نثار نے ان کی مدد کی حامی بھر لی' گوندل فیملی نے اپنی مرضی کی عدالت اور اپنی مرضی کے جج کے سامنے درخواست دی' ظفر گوندل کی ضمانت ہوئی' ایف آئی اے اس ضمانت پر خاموش رہا اور یوں ظفر گوندل اپنے گھر چلے گئے' یہ آج کل اسلام آباد میں اپنے فارم ہاؤس میں مزے سے زندگی گزار رہے ہیں جبکہ ان کی فائلیں نیب میں اس نئے پاکستان کا راستہ دیکھ رہی ہیں جس میں ملک کے ہر کرپٹ شخص کی گردن پر شکنجہ کسا جائے گا۔ یہ نذر محمد گوندل 6 مئی ۲۰۱۷ء تک پاکستان پیپلز پارٹی کے جیالے تھے' یہ ببانگ دہل فرمایا کرتے تھے ''پیپلز پارٹی نے غریب عوام کو عزت دی' بھٹو شہید نے سیاست کو جاگیرداروں اور اُمراء کے ڈرائنگ روموں سے نکال کر غریبوں کی جھونپڑیوں میں پہنچا دیا'' یہ فرمایا کرتے تھے ''پیپلز پارٹی ایک تحریک کا نام ہے جس کا ہر کارکن بلاول بھٹو اور بختاور بھٹو ہے' ملک کا ایک طبقہ اقتدار کی آسائشوں کے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن پیپلز پارٹی کی قیادت اور کارکنوں نے اپوزیشن کی تکلیفیں بھی برداشت کیں اور یہ ثابت قدم بھی رہے'' یہ فرمایا کرتے تھے ''عوام اپنے ووٹوں سے اگلی واری فیر زرداری کا نعرہ سچ ثابت کریں گے'' لیکن یہ 6 مئی 2017ء کو اپنے یہ تمام دعوے' یہ سارے اصولی موقف گٹھڑی میں باندھ کر نتھیا گلی تشریف لے گئے' عمران خان نے ان کے گلے میں پارٹی کا پرچم ڈالا اور یہ اس ٹیم میں شامل ہو گئے جس نے پھٹے پرانے پاکستان کو نیا پاکستان بنانا ہے' جس نے ملک کو کرپشن فری کرنا ہے اور جس نے ملک میں میرٹ قائم کرنا ہے' میں نذر محمد گوندل کی اصول پسندی' ایمانداری اور وفاداری اور عمران خان کے وژن' ان کے جذبے اور ملک کے روشن مستقبل کو سلام پیش کرتا ہوں' ملک کا مستقبل واقعی روشن ہے' ہماری سمت سو فیصد دُرست ہے ہم بہت جلد نذر محمد گوندل' فردوس عاشق اعوان' نور عالم' بابر اعوان' مصطفیٰ کھر' اشرف سوہنا' صمصام بخاری' بیرسٹر سلطان محمود' عامر ڈوگر' یار محمد رند اور فواد چودھری جیسے لوگوں کی مدد سے شریف فیملی کے تین فلیٹوں کا حساب کریں گے' یہ لوگ ملک میں ایسے کٹہرے بنائیں گے جن میں ہم پاکستان پیپلز پارٹی اور پاکستان مسلم لیگ ن کے کرپٹ لیڈروں کو کھڑا کریں گے' یہ لوگ نئے پاکستان میں میرٹ قائم کریں گے' یہ مریدوں اور پیروں کو برابر کر دیں گے' یہ پولیس کو آزاد کر دیں گے اور یہ نیب کو خود مختاری دے دیں گے' یہ ایسا ''اوپر'' ثابت ہوں گے جو نیچے سے سارا سسٹم ٹھیک کر دے گا' میری عمران خان سے درخواست ہے اللہ تعالیٰ نے اگر آپ کو اقتدار دیا تو آپ نذر محمد گوندل کو چیف جسٹس آف پاکستان بنا دیجئے گا' ظفر گوندل کو چیئرمین نیب لگا دیجئے گا' فردوس عاشق اعوان کو وزیر داخلہ بنا دیجئے گا' نور عالم کو الیکشن کمیشن کا چیئرمین بنا دیجئے گا' بابر اعوان کو وزیر قانون بنا دیجئے گا' مصطفیٰ کھر کو پنجاب کا گورنر لگا دیجئے گا' صمصام بخاری کو وزیر خزانہ لگا دیجئے گا'۔

بیرسٹر سلطان کو وزیر اعظم آزاد کشمیر بنا دیجئے گا اور فواد چودھری کو اٹارنی جنرل بنا دیجئے گا' قائداعظم کا خواب ایک ہی رات میں شرمندہ تعبیر ہو جائے گا' یہ پھٹا پرانا پاکستان نیا نکور پاکستان ہو جائے گا اور اگر کوئی کسر رہ گئی تو میرے بڑے بھائی قمر زمان کائرہ پوری کر دیں گے' یہ ندیم افضل چن کے ساتھ مل کر ملک کی سمت تیر کی طرح سیدھی کر دیں گے پھر پاکستان میں کوئی نقص' کوئی خامی نہیں رہے گی' ملک میزائل کی طرح اُوپر چلا جائے گا' بہرحال قوم کو نیا پاکستان مبارک ہو۔ ***

کیا اب بھی ہم متحد نہیں ہو سکتے ؟

سکندر خان بلوچ

موجودہ دور کا انسان اس بات پر نازاں ہے کہ اس نے بہت ترقی کی ہے۔خلا، ہوا سمندر اور زمین پر سب جگہ اپنی حکمرانی قائم کر رکھی ہے۔ زندگی اس سے پہلے اتنی آسان اور اتنی کمفرٹیبل کبھی نہ تھی جتنی اب ہے۔ ترقی کا یہ عالم ہے کہ موجودہ دور کا انسان چاند اور مریخ کی تسخیر کیلئے کمر بستہ ہے اور یہ سب سائنسی ایجادات کی وجہ سے ہے لیکن افسوس کہ انسان نے جتنی مادی ترقی کی ہے۔جتنی ایجادات اپنی کمفرٹس کیلئے کی ہیں اس سے زیادہ ایجادات اپنی تباہی کیلئے بھی کر لی ہیں۔اب تو ایسے ایسے ہتھیار معرضِ وجود میں آ گئے ہیں جن سے اس دنیا کو کئی دفعہ تباہ کیا جا سکتا ہے۔انسانی تباہی کے ہتھیار اتنے عام ہو چکے ہیں کہ ہر آدمی ان تک آسانی سے رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ہتھیاروں کی اس قدر فراوانی اور آسان رسائی نے مختلف دہشت گرد گروپس کو جنم دیا ہے جنہوں نے مختلف ممالک خصوصاً اسلامی ممالک میں انسانوں کی زندگی جہنم بنا دی ہے۔امن و امان تباہ کر دیا ہے۔ انہیں بچوں کی پرواہ ہے نہ خواتین کی، بوڑھوں کی نہ جوانوں کی۔وہ صرف تباہی کی علامت ہیں۔وہ ہر مخالف فرقے پر اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتے ہیں اور مرضی مسلط کرنے کا مطلب انہیں موت کے گھاٹ اُتارنا ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ اسلام جو کہ اخوت اور بھائی چارے کا مذہب ہے۔ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے چاہے وہ دنیا کے کسی بھی کونے میں رہائش پذیر ہو۔ان بنیادی تعلیمات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسلامی دنیا میں بہت سی دہشت گرد تنظیمیں پیدا ہو گئی ہیں اور یہ سب اسلام کے نام پر اور بظاہر اسلام پھیلانے کیلئے معرضِ وجود میں آئی ہیں لیکن معلوم نہیں یہ کس اسلام پر عمل پیرا ہیں جبکہ ان کا واحد مقصد انسانی تباہی پھیلانا ہے۔ان کی نظر میں جتنی زیادہ انسانی تباہی اتنی زیادہ اسلام کی خدمت۔ان تنظیموں نے پوری دنیا کا امن اور خصوصاً اسلامی دنیا کا امن تباہ کر دیا ہے۔مسلمان دنیا میں اسوقت صومالیہ، ایتھوپیا، سوڈان، عراق، شام، یمن، سعودی عرب، پاکستان، افغانستان اور اب ایران دہشتگردی کا شکار ہیں۔غیر اسلامی دنیا میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی اور بلجیم نشانے پر ہیں۔ان ممالک میں مختلف اوقات میں حملے ہو چکے ہیں۔افسوس کہ جب دہشتگردوں کو پکڑا گیا یا انکوائری ہوئی تو یہ سب مسلمان نکلے۔حال ہی میں برطانیہ میں مانچسٹر اور لندن میں دہشتگردی کے واقعات ہوئے۔دونوں مقامات پر کئی انسانی جانوں کا ضیاع ہوا اور بہت سے لوگ زخمی ہوئے۔دہشت گرد موقع پر مارے گئے۔شناخت پر وہ بھی مسلمان نکلے۔ان میں ایک دہشتگرد خرم شہزاد بٹ کا تعلق پاکستان سے تھا۔خرم کے ایک سابقہ بیان کے مطابق وہ وہاں شریعت کا نفاذ چاہتا تھا۔

حیران کن بات ہے کہ وہ اپنے ملک میں شریعت نافذ کرا نہیں سکا۔ برطانیہ روزی کمانے کیلئے گیا اور وہاں ایک عیسائی ملک میں شریعت نافذ کرانے کیلئے دہشتگرد بن گیا۔اس گروپ کا تعلق داعش سے تھا اور داعش نے ذمہ داری بھی قبول کی۔اس سے پہلے جو فرانس، جرمنی اور بلجیم میں واقعات ہوئے انکی ذمہ داری بھی داعش ہی نے قبول کی۔دس روز پہلے ایران میں پارلیمنٹ اور امام خمینی کے مزار پر حملہ ہوا جس میں 13 بے گناہ افراد مارے گئے اور 43 زخمی ہوئے۔اس دہشتگرد گروہ کا تعلق بھی داعش ہی سے نکلا گو حملہ آور تمام ایرانی تھے۔

ایران ایک شیعہ ملک ہے۔تمام دنیا میں شیعہ برادری کا راہنما ہے جبکہ داعش خالصتاً اہل سنت و الجماعت ہے اور اہل تشیع کی مخالف ہے۔ ایران کی سیکورٹی بھی سخت ہے۔انہوں نے آج تک باوجود کوشش کے بھی امریکہ کو ایران میں قدم نہیں رکھنے دیا۔اب اس سرزمین پر داعش کا موجود ہونا حیران کن امر ہے۔یہ تو انکوائری کے بعد ہی پتہ چلے گا کہ یہ گروپ وہاں کیسے آیا اور ان کی پشت پر کون لوگ یا کون سی طاقت تھی۔وقتی طور پر ایران نے الزام سعودی عرب اور امریکہ پر لگایا جبکہ دونوں ممالک نے یہ الزام تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔بہرحال جرمن وزیر خارجہ کے ایک بیان کے مطابق ''امریکہ مشرقِ وسطیٰ میں تنازعات بھڑکا رہا ہے''۔اگر امریکی صدر کی الریاض میں ہونیوالی سمٹ کی کاروائی سامنے رکھی جائے تو یہ بات درست معلوم ہوتی ہے۔الریاض کی اسلامی سمٹ کے متعلق امریکی تجزیہ نگار

رابرٹ فسک نے کہا تھا کہ:

''اس سمٹ میں سنی مسلمانوں کو شیعہ مسلمانوں کے خلاف لڑانے کیلئے تیار کیا جا رہا ہے''۔ ویسے بھی امریکہ اور سعودی عرب نے اس سمٹ میں ایران کو دہشت گردی کا گھر قرار دیا تھا اور اسے مسلمان ممالک میں تنہا کرنے کا عندیہ دیا تھا۔

9 جون جمعۃ المبارک کے نیک دن کربلا شریف میں بھی خودکش دھماکہ ہوا۔ یہ دھماکہ ایک بس سٹاپ پر کیا گیا جہاں بسیں حضرت امام حسینؓ کے مزارِ مبارک پر جانے کیلئے زائرین سے بھری تھیں۔ اس دھماکے میں 20 آدمی جان بحق ہوئے اور 25 زخمی ہوئے۔ یہ حملہ خالصتاً اہل تشیع پر تھا جو امام عالی مقام پر زیارت کیلئے جا رہے تھے۔ اس حملہ کی ذمہ داری بھی داعش نے قبول کی۔ عراق اور شام میں ہر آئے روز داعش خودکش دھماکے کرتی رہتی ہے۔ یمن اور سعودی عرب بھی محفوظ نہیں۔ حالانکہ سعودی عرب داعش کا سپورٹر مانا جاتا ہے۔ جہاں تک پاکستان اور افغانستان کا تعلق ہے داعش یہاں بہت سرگرم ہے۔ افغانستان میں تو داعش نے مکمل طور پر اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کر لیا ہے۔ افغانستان کے بہت سے علاقے پر قابض بھی ہے اور روز بروز اسکا دائرہ اثر بڑھ رہا ہے۔ داعش خصوصی طور پر افغانستان کے شمالی علاقہ جات تاجکستان کی سرحد کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو مضبوط کر رہی ہے۔ وہاں داعش کا اسوقت تمام تر فوکس صوبہ خراسان قائم کرنے پر ہے جس میں افغانستان کے علاوہ وسط ایشیا اور چین کا صوبہ سنکیانگ شامل ہوگا۔ افغانستان سے باہر نکل کر داعش اپنے اڈے پاکستان میں بھی قائم کرنے کیلئے کوشاں ہے۔ نظر فاٹا اور بلوچستان پر ہے۔ حال ہی میں پاکستان اور افغانستان میں جو بھی خودکش دھماکے ہوئے ہیں جن میں بہت سی انسانی جانوں کا نقصان بھی ہوا۔ انکی ذمہ داری بھی داعش ہی نے قبول کی ہے۔ ایسے نظر آتا ہے کہ داعش ایک عالمی دہشتگرد تنظیم بن چکی ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ اور یورپ بھی اسکی پہنچ میں ہیں۔ بدقسمتی سے داعش کے پاس کوئی ایسی پروپیگنڈا مشینری ہے کہ معصوم سے معصوم انسان بھی انکے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔ نورین لغاری کا کیس دیکھیں۔ ایک بھولی بھالی، نوعمر اور پڑھے لکھے خاندان کی فرد بھی بھٹک کر انکے پاس لاہور چلی گئی۔ لندن میں مارے جانیوالے تین دہشتگرد جن کا تعلق مختلف ممالک سے تھا عراق کبھی گئے بھی نہیں وہ بھی ان کی باتوں میں آکر دہشتگرد بن گئے اور پھر حیران کن واقعہ ایران کا کہ 6 دہشتگرد جن میں ایک عورت بھی شامل تھی۔ ایرانی قومیت سے تعلق اپنے خاندانوں کی بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی ہی پارلیمنٹ اور امام خمینی کے مزار پر حملہ آور ہو گئے۔ داعش کے لوگ اسوقت اپنا آزاد صوبہ بنانے کیلئے سخت بے چین ہیں۔ اسی لئے وہ افغانستان اور پاکستان میں حملے کر رہے ہیں کہ انہیں جہاں بھی موقع ملے اپنا مقصد پورا کریں۔ اب اس منصوبے میں انہوں نے ایران کو بھی شامل کر لیا ہے اور یقیناً وہاں انہوں نے اپنا اڈا بنا لیا ہوگا یا بنانے کی کوشش میں ہونگے۔ یہی کچھ وہ پاکستان میں کر رہے ہیں لیکن اپریشن ردالفساد کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو رہے۔ حال ہی میں مستونگ میں انکا اڈا پکڑا گیا جہاں لشکر جھنگوی العالمی کی مدد سے قدم جما رہے تھے۔ ان حالات میں افغانستان، پاکستان اور ایران میں امن قائم ہوتا نظر نہیں آتا۔ یہ تینوں ممالک داعش کی دہشتگردی کی زد میں ہیں۔ اسکا واحد حل یہ ہے کہ تینوں ممالک مل کر اس عفریت کیخلاف کاروائی کریں۔ علیحدہ علیحدہ کوشش سے کامیابی ممکن نہیں۔ اگر اب بھی ہم متحد نہ ہوئے تو تینوں ممالک بہت نقصان اٹھائیں گے۔

***

طنز و مزاح کافی ہاؤس

عمدہ کافی بنانا بھی کیمیا گری سے کم نہیں۔ یہ اسلئے کہہ رہا ہوں کہ دونوں کے متعلق یہی سننے میں آیا ہے کہ بس ایک انچ کی کسر رہ گئی ہے۔ ہر ایک کافی ہاؤس اور خاندان کا مخصوص نسخہ ہوتا ہے۔ جو سینہ بہ سینہ حلق بہ حلق منتقل ہوتا رہتا ہے۔ مشرقی افریقہ کے اس انگریز افسر کا تو نسخہ تو سبھی کو معلوم ہے کے جس کی مزے دار کافی کی ساری ضلع میں دھوم تھی۔ ایک دن اس نے ایک نہایت پر تکلف دعوت کی جس میں اس کے حبشی خانسامہ نے نہایت خوش ذائقہ کافی بنائی انگریز نے بہ نظر حوصلہ اس کو مہمانوں کے سامنے طلب کیا اور کافی بنانے کی ترکیب پوچھی۔ حبشی نے جواب دیا بہت ہی سہل طریقہ ہے میں بہت سا کھولتا ہوا پانی اور دودھ لیتا ہوں پھر اس میں کافی ملا کر گرم کر دیتا ہوں۔ لیکن اسے حل کیسے کرتے ہیں بہت مہین چھنی ہوتی ہے۔ حضور کے موزے میں چھانتا ہوں۔ کیا مطلب؟ کیا تم میرے قیمتی ریشمی موزے استعمال کرتے ہو؟۔ آقا نے غضبناک ہو کر پوچھا۔ خانسامہ سہم گیا'' نہیں سرکار میں آپ کے صاف موزے کبھی استعمال نہیں کرتا۔ (مشتاق احمد یوسفی کی کتاب ''چاغ تلے'' سے اقتباس)

پاکستان میں نایاب ہوتے جانور

طیب رضا عابدی

بھورا ریچھ

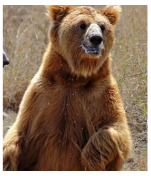

بھورا ریچھ پاکستان کے شمالی علاقوں میں پایا جانیوالا جانور ہے۔ نر ریچھ 7 فٹ تک لمبا ہوتا ہے جبکہ مادہ قدرے چھوٹی ہوتی ہے۔سردیوں میں یہ زیر زمین یا غنودگی کے عالم میں گزارتے ہیں۔رہائش کیلئے بہتر ماحول نہ ہونے کیوجہ سے اور ریچھ نچانے والے شکاریوں کی وجہ سے ان کی نسل تیزی سے ختم ہورہی ہے۔کھڈوں یا غارنما رہائشگاہوں میں یہ اکتوبر کے مہینے سے چلے جاتے ہیں اور اپریل، مئی میں میدانوں میں نکل آتے ہیں۔ پاکستان کے علاوہ ان کی نسل نیپال، بھارت کی ریاست اترکھنڈ، قازقستان کے کچھ علاقوں اور تبت میں پائی جاتی ہے۔ان کی عمومی خوراک تو گھاس یا پودے وغیرہ ہوتی ہے لیکن پھلوں میں بیریز کو اور چھوٹے میمل جانوروں کو بھی شوق سے کھاتے ہیں۔ جانوروں میں یہ بھیڑ بکری کا شکار کرتے ہیں۔جانوروں پر کام کرنے والی ایک فاؤنڈیشن نے گلگت بلتستان میں پامیر رینج میں بھورے ریچھوں پر ایک تحقیق کی ہے اور انسانوں کو ان کے شکار سے روکنے کی آگاہی مہم چلائی ہے۔شکاری بھورے ریچھ کی کھال، بال اور جبڑوں کو زیورات کی بناوٹ میں استعمال کرتے ہیں جبکہ ریچھ کے جسم کے اندرونی اعضا کو دوائیوں میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

پاکستان میں وائلڈ لائف کی تنظیم ان کے شکار کو روکنے کی کوشش کررہی ہے اس مقصد کیلئے ریچھوں کیلئے عارضی اور مصنوعی رہائش گاہیں بھی بنائی گئی ہیں۔نامناسب رہائشگاہوں کی وجہ سے ان کی نسل آگے نہیں بڑھ رہی اور اس وقت پاکستان میں بھورے ریچھوں کی کل تعداد ڈیڑھ سو کے قریب ہی ہوگی۔اس کے علاوہ کالے رنگ کا ریچھ بھی نایاب ہوتا جارہا ہے۔کالے رنگ کے ریچھ کو مداری سدھا کر تماشے دکھاتے ہیں لیکن اپنے قدرتی ماحول میں نہ رہنے سے وہ جلد موت کا شکار ہوجاتے ہیں جس کی وجہ سے یہ نسل بھی ختم ہوتی جارہی ہے۔غزال ہرن: غزال پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے بعض علاقوں میں پایا جاتا ہے۔نر غزال لمبی گردن کے مالک ہوتے ہیں۔غزالی آنکھیں اسی ہرن کی خوبصورت آنکھوں کی وجہ سے مشہور ہیں۔ یہ ریتلے یا پتھریلے میدانوں میں پائے جاتے ہیں۔ تیز رفتاری، پھدکنا اور چال غزال ہرن کی خصوصیات سمجھی جاتی ہیں۔شاعر عموماً محبوبہ کیلئے ''ہرنی جیسی چال'' کا لفظ اسی لئے استعمال کرتے ہیں کیونکہ غزال کی چال بہت خوبصورت ہوتی ہے۔ پاکستان کے علاوہ یہ افغانستان، ترکی اور ازبکستان میں بھی پایا جاتا ہے۔ یہ قیمتی ہرن بھی شکاریوں کی وجہ سے تیزی سے نایاب ہورہا ہے۔

جنگلی گدھے

گدھوں کی نسل تو ویسے ہی پاکستان کے مختلف شہروں میں تیزی سے نایاب ہورہی ہے۔ گدھوں کا گوشت فروخت کیا جارہا ہے۔ ان کی کھالیں اتار کر فروخت کی جاتی ہیں۔آئے روز مختلف شہروں میں گدھوں کو مارنے اور چوری کرنے کی خبریں آرہی ہوتی ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ جاری ہے لیکن پاکستان میں گدھوں کی ایک خاص قسم ''جنگلی گدھے'' بھی نایاب ہورہے ہیں۔یہ پاکستان کے دو صوبوں سندھ اور بلوچستان میں پائے جاتے ہیں جبکہ رن آف کچھ میں بھی ان کی تعداد کافی ہے۔ پاکستان میں ان کی تعداد میں تیزی سے کمی ہورہی ہے۔ایک تو عام شکاری ان کو مال برداری کیلئے استعمال کرنے کیلئے پکڑتے ہیں دوسرا یہ مختلف بیماریوں کا شکار ہوکر مررہے ہیں۔ برطانوی دور سے لے کر اب تک ان کی تعداد میں نمایاں کمی ہوئی ہے۔انڈیا میں ان کی نسل کو بچانے کیلئے خصوصی اقدامات اٹھائے گئے جن کی وجہ سے 2005 سے اب تک ان کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ چکی ہے۔

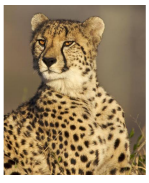

چیتا

اپنی پھرتی کی وجہ سے مشہور یہ خوبصورت جسم کا جانور پاکستان کے صوبہ بلوچستان کے صحرائی علاقوں میں پایا جاتا ہے لیکن اس کی نسل اتنی نایاب ہوچکی ہے کہ اب اسے چڑیا گھروں میں ہی دیکھا جاسکتا

ہے۔جنگل ختم ہونے اور درختوں کی کٹائی نیز موسمی بیماریوں کی وجہ سے اس کی نسل تیزی سے ختم ہورہی ہے۔ایک اور قسم برفانی چیتا پاکستان کے شمالی علاقوں اور قراقرم کے پہاڑوں میں پایا جاتا ہے۔اس کی بھی نسل تیزی سے ختم ہورہی ہے۔برفانی چیتا ٹھنڈے موسم میں رہنے والا جانور ہے۔شدید برفباری میں بھی یہ اپنی گھنی اونی جلد کیوجہ سے گزارا کرتا ہے اور شکار کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔

دریائی ڈولفن

دریائے سندھ میں پائی جانیوالی یہ ڈولفن پاکستان کے قومی میملز میں شامل ہے۔دریائے سندھ میں اس کے رہنے کی رینج 690 کلومیٹر تک ہے۔یہ تازہ پانی میں رہتی ہے اور آج کل صرف دریا کے مرکزی دھارے میں ہی پائی جاتی ہے۔دریائے سندھ میں فیکٹریوں اور کارخانوں کے آلودہ کیمیائی پانی کے شامل ہونے سے کئی دریائی ڈولفن موت کا شکار ہوچکی ہیں۔اس کے علاوہ سب سے زیادہ جس نے ان کی نقل وحرکت اور نسل کو نقصان پہنچایا وہ جگہ جگہ چھوٹے بڑے ڈیمز کی تعمیر ہے۔دریائے سندھ کے پانی کو ایک عالمی تنظیم نے آبی حیات کے لئے نقصان دہ قرار دیا ہے۔دریا کے پانی کو آلودگی سے بچانے کیلئے ورلڈ وائلڈ لائف فنڈ نے کام شروع کررکھا ہے۔

مارخور

مارخور پاکستان کے شمالی علاقوں میں پایا جانیوالا جانور ہے۔یہ جنگلی بکریوں کی نسل سے تعلق رکھتا ہے۔ایک ترتیب سے مڑے ہوئے سینگوں اور لمبے گھنے جلدی بالوں کے ساتھ اس کی ساخت اسے ایک دلچسپ جانور بناتی ہے۔پاکستان کے علاوہ یہ افغانستان، ازبکستان اور تاجکستان میں بھی پایا جاتا ہے۔اس کا نام فارسی زبان سے ماخوذ ہے مار کا مطلب سانپ اور خور کا مطلب کھانے والا۔یعنی سانپ کو کھانے والا جانور لیکن بعض کے نزدیک چونکہ اس کے سینگ سانپ کی طرح بل کھائے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے بھی اسے مارخور کہا جاتا ہے۔اس کی نسل کو بھی شدید خطرات لاحق ہیں۔اس کی ایک قسم 'استور مارخور' پاکستان کے دریائے سندھ اور چترال (دریا) سے ملحقہ علاقوں میں پائی جاتی ہے۔اس کے دلکش سینگوں اور گوشت کیلئے بھی شکاری اس کا شکار کرتے ہیں۔سب سے بڑا خطرہ جو اس کی نسل کو ہے وہ برفانی چیتوں، ریچھوں اور دیگر جنگلی جانوروں کی خوراک بننا ہے۔اس کا شمار پاکستان کے قومی جانوروں میں ہوتا ہے۔ ***

موٹاپے کی عالمی وبا

رضوان عطا

اگر جسم میں چربی کی مقدار اس قدر بڑھ جائے کہ صحت کو متاثر کرنے لگے تو اسے موٹاپا کہا جائے گا۔دنیا بھر میں موٹاپا بڑھ رہا ہے جس کی وجہ سے صحت کے مسائل بھی بڑھ رہے ہیں۔اضافے کا یہ رجحان گزشتہ تین دہائیوں سے دیکھا جارہا ہے۔حال ہی میں 'نیو انگلینڈ جرنل آف میڈیسن' میں شائع ہونے والی ایک تحقیق کے مطابق 70 سے زائد ممالک میں 1980ء سے 2015ء کے دوران موٹاپے کی شرح دگنی ہوئی ہے۔دنیا کی ساڑھے سات ارب کی آبادی میں دو ارب سے زائد افراد موٹاپے کا شکار ہیں۔جس کا مطلب ہے کہ دنیا کی ایک تہائی آبادی زیادہ وزن یا موٹاپے کا شکار ہے۔امریکی بالغوں میں سب سے زیادہ موٹاپا پایا جاتا ہے۔مذکورہ تحقیق سے یہ حقیقت واضح ہوگئی ہے کہ دنیا کے کسی ملک میں زیادہ وزن یا موٹاپے میں کمی نہیں ہوئی ہے جو کہ تشویش ناک ہے۔اضافہ اس قدر ہے کہ موٹاپے کو اب ایک ''وبا'' کہا جانے لگا ہے۔بہت سے امراض سے بچاؤ ممکن ہے لیکن وہ موت کا سبب بن جاتے ہیں۔موٹاپے سے ہونے والے امراض کو انہیں میں شمار کیا جانا چاہیے۔موٹاپے کی مختلف وجوہات ہیں جن میں جسمانی سرگرمی سے زیادہ خوراک اور وراثت یا جینز کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔عام طور پر موٹاپا کسی ایک وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ مختلف وجوہ کا یکجا ہونا اس کا سبب بنتا ہے۔دیگر اہم وجوہ میں ادویات، اینڈوکرائن نظام کی خرابی اور ذہنی خلل شامل ہیں۔2016ء میں لیے گئے ایک جائزے کے مطابق خوراک موٹاپے کی انتہائی اہم وجہ ہے۔دنیا کے مختلف حصوں میں لوگ مختلف طرح کی خوراک استعمال کرتے ہیں لیکن گزشتہ چند دہائیوں میں دنیا بھر کی خوراک میں بدلاؤ آیا ہے۔آج زرعی پیداوار میں اضافے اور تیز رفتار نقل وحمل کی وجہ سے زیادہ مقدار میں اور زیادہ اقسام کی خوراک میسر ہے۔نیز ڈبے میں بند خوراک، فاسٹ فوڈ اور کولڈ ڈرنکس کی پیداوار اور استعمال میں اضافہ ہوا ہے۔یوں موٹاپے کا تعلق خوراک کے زیادہ استعمال کے ساتھ ساتھ اس امر سے بھی ہے کہ کیسی خوراک استعمال کی جاتی یا استعمال کرنے کے لیے میسر ہے۔ایک جائزے کے مطابق 1970ء کی دہائی کے ابتدائی عرصے سے 1990ء کی دہائی کے اواخر تک ماسوائے مشرقی یورپ، دنیا بھر میں فی فرد خوراک کی اوسط دستیابی میں اضافہ ہوا۔عام طور پر وزن اور قد کے تناسب سے موٹا ہونے یا نہ ہونے کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔اسے 'باڈی ماس انڈیکس' کہتے ہیں۔اسے 25 سے 9.29 فیصد ہونا چاہیے۔ایسی قابل اعتماد آن لائن ویب سائٹس موجود ہیں جن میں وزن اور قد کے کوائف درج کرنے پر 'باڈی ماس انڈیکس' معلوم کیا جاسکتا ہے۔آج کل کی دنیا میں جہاں ایک طرف ایسی خوراک کو ترویج دی جارہی ہے جو موٹاپے کا باعث بنتی ہے وہیں موٹے یا زیادہ وزن کے افراد کو شرمندہ کرنے یا ان کا مذاق اڑانے کا رجحان بھی عام ہے جو کہ افسوس ناک ہے۔ ***

ہلاکو خان کی بیٹی کو جواب ایک عالم کا

عبدالقدیر کوکب

بغداد پر تاتاری فتح کے بعد، ہلاکو خان کی بیٹی بغداد میں گشت کر رہی تھی کہ ایک ہجوم پر اس کی نظر پڑی۔ پوچھا لوگ یہاں کیوں اکٹھے ہیں؟ جواب آیا: ایک عالم کے پاس کھڑے ہیں۔ دخترِ ہلاکو نے عالم کو اپنے سامنے پیش ہونے کا حکم دیا۔ عالم کو تاتاری شہزادی کے سامنے لا حاضر کیا گیا۔ شہزادی مسلمان عالم سے سوال کرنے لگی: کیا تم لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے؟

عالم: یقیناً ہم ایمان رکھتے ہیں۔

شہزادی: کیا تمہارا ایمان نہیں کہ اللہ جسے چاہے غالب کرتا ہے؟

عالم: یقیناً ہمارا اس پر ایمان ہے۔

شہزادی: تو کیا اللہ نے آج ہمیں تم لوگوں پر غالب نہیں کر دیا ہے؟

عالم: یقیناً کر دیا ہے۔

شہزادی: تو کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ خدا ہمیں تم سے زیادہ چاہتا ہے؟

عالم: نہیں۔

شہزادی: کیسے؟

عالم: تم نے کبھی چرواہے کو دیکھا ہے؟

شہزادی: ہاں دیکھا ہے۔

عالم: کیا اس کے ریوڑ کے پیچھے چرواہے نے اپنے کچھ کتے بھی رکھ چھوڑے ہوتے ہیں؟

شہزادی: ہاں رکھے ہوتے ہیں۔

عالم: اچھا تو اگر کچھ بھیڑیں چرواہے کو چھوڑ کو کسی طرف کو نکل کھڑی ہوں، اور چرواہے کی سن کر دینے کو تیار ہی نہ ہوں، تو چرواہا کیا کرتا ہے؟

شہزادی: وہ ان کے پیچھے اپنے کتے دوڑاتا ہے تاکہ وہ ان کو واپس اس کی کمان میں لے آئیں۔

عالم: وہ کتے کب تک ان بھیڑوں کے پیچھے پڑے رہتے ہیں؟

شہزادی: جب تک وہ فرار رہیں اور چرواہے کے اقتدار میں واپس نہ آ جائیں۔

عالم: تو آپ تاتاری لوگ زمین میں ہم مسلمانوں کے حق میں خدا کے چھوڑے ہوئے کتے ہیں۔ جب تک ہم خدا کے در سے بھاگے رہیں گے اور اس کی اطاعت اور اس کے منہج پر نہیں آ جائیں گے، تب تک خدا تمہیں ہمارے پیچھے دوڑائے رکھے گا، تب تک ہمارا امن چین تم ہم پر حرام کیے رکھو گے۔ ہاں جب ہم خدا کے در پر واپس آ جائیں گے اُس دن تمہارا کام ختم ہو جائے گا۔ مسلمان عالم کے اس جواب میں آج ہمارے لئے بہت کچھ غور فکر کا سامان ہے۔

لوٹ کا مال

نواز شریف نے عمران خان نہیں بلکہ آصف زرداری سے لوٹا ہوا پیسہ واپس دلانے کا وعدہ کیا تھا... یاد ہے نا؟؟ آیئے ذرا ان تینوں کی مبینہ کرپشن کا حجم ماپتے ہیں۔

عمران خان

بنی گالہ کا گھر اور کیسنر میموریئل ہسپتال کے چندے میں گھپلے کا الزام۔ جس وقت عمران خان کو بنی گالہ کی ملکیت ملی اس وقت کی مارکیٹ ویلیو اور اسکے موجودہ اکاؤنٹس میں رقم تقریباً 1 سے 2 ملین ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ عمران خان کے پاس سوائے کرکٹ ٹیم کی کپتانی کے کبھی کوئی عہدہ نہیں رہا۔ ن لیگ کا دعویٰ ہے کہ دراصل اس نے میچز فکس کر کے پیسے کمائے۔ خیال رہے کہ عمران خان نے پاکستان کو ورلڈ کپ جتوایا، انڈیا اور آسٹریلیا جیسے ممالک سے میچز جتوائے اور اپنی کارکردگی کی بدولت دنیا بھر میں لیجنڈ مانا گیا۔ اسکا کینسر ہسپتال اپنی نوعیت کا غالباً پوری دنیا میں پہلا پرائیویٹ ہسپتال ہے جو 75 فیصد رعایت پر کینسر جیسی بیماری کا علاج کرتا ہے۔ عمران خان کہتا ہے کہ بنی گالہ کا گھر اس کی ارب پتی بیوی نے اسکو تحفے میں دیا اور شوکت خانم کینسر ہسپتال کا آڈٹ حکومت جب چاہے کر سکتی ہے۔

نواز شریف

نواز شریف کے پاس تین بار پورے پاکستان کی اور چھ بار پاکستان کے سب سے بڑے صوبے کی حکومت رہی۔ نواز شریف پر کم از کم 22000

ملین ڈالر کی کرپشن کے الزمات ہیں۔ کرپشن کس لیول کی ہے اسکا اندازہ اس سے لگائیے کہ جیسے ہی اس نے اپنی موجودہ وزارت عظمی کا حلف اٹھایا تو پہلے ہفتے میں اپنے فرنٹ مین میاں منشاء کو 4800 ملین ڈالر کی یکمشت ادائیگی کر کے قومی خزانہ خطرناک حد تک خالی کر دیا تھا۔

آصف زرداری

آصف زرداری یا بھٹو خاندان پر کم از کم 22000 سے 25000 ملین ڈالر کی کرپشن کے الزامات ہیں۔ ان کے صرف ایک فرنٹ مین ڈاکٹر عاصم نے زرداری کے آخری دور حکومت میں 4790 ملین ڈالر یا 479 ارب روپے کی کرپشن کا اعتراف کیا ہے۔ آصف زرداری بھٹو خاندان کی دولت پر قابض ہے۔ یہ خاندان چار بار پورے پاکستان پر اور شائد 7 بار سندھ پر حکومت کر چکا ہے۔

عمران خان

عمران خان پر جتنی کرپشن کا الزام ہے اس سے پانچ گنا مہنگی نواز شریف کے ہاتھ پر بندھی ہوئی گھڑی ہے جو تقریباً 6.4 ملین ڈالر کی ہے۔ اسکا صرف رائیونڈ میں موجود گھر 25000 کنال پر محیط ہے جو غالبا پاکستان میں سب سے بڑا اور مہنگا گھر ہے۔ اس کے صرف سٹیل کا کاروبار پاکستان، سعودی عرب، نیوزی لینڈ، دبئی، کینیا اور انڈیا تک پھیلا ہوا ہے اور سجن جندال جیسے سٹیل ٹائیکون اس کے دہلیز پر آتے ہیں۔ پانامہ میں اس کے جن فلیٹس کا انکشاف ہوا ہے انکی قیمت محض 60 سے 80 ملین ڈالر ہے لیکن ان کو بچانے کے لیے اس نے اب تک صرف میڈیا پر 300 ملین ڈالر خرچ کر دیئے ہیں اور بقول کچھ تجزیہ نگاروں کے جے آئی ٹی اور ججز کو خریدنے کے لیے کم از کم 1000 ملین ڈالر یا 100 ارب روپے کی رقم مختص کی ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس چوری کے مال کو یہ چھپانا چاہتا ہے وہ کتنا ہوگا؟ آصف زرداری... آصف زرداری یا بھٹو خاندان پر کم از کم 22000 سے 25000 ملین ڈالر کی کرپشن کے الزامات ہیں۔ ان کے صرف ایک فرنٹ مین ڈاکٹر عاصم نے زرداری کے آخری دور حکومت میں 4790 ملین ڈالر یا 479 ارب روپے کی کرپشن کا اعتراف کیا ہے۔ آصف زرداری بھٹو خاندان کی دولت پر قابض ہے۔ یہ خاندان چار بار پورے پاکستان پر اور شائد 7 بار سندھ پر حکومت کر چکا ہے۔

دولت کی جھلکیاں

لندن کا سب سے مہنگا علاقہ سرے کاؤنٹی میں وُڈ پارک کا ہے۔ وہاں ہمارے زرداری صاحب کا 2700 کنال پر مشتمل ایک محل نما گھر ہے جسکو سرے محل کہا جاتا ہے۔ امریکہ میں بلیر اپارٹمنٹس کا شمار دنیا کے چند مہنگے ترین اپارٹمنٹس میں ہوتا ہے۔ وہاں دنیا کے امیر تری افراد کا ایک ایک فلیٹ ہے۔ ہمارے آصف زرداری صاحب کا وہاں پورا ایک فلور ہے جس میں 5 فلیٹس ہیں۔ نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں بے نظیر بھٹو کے ایک سوئس اکاؤنٹ کا انکشاف ہوا جس میں اس وقت 8000 ملین ڈالر کی رقم موجود تھی تاہم اس معاملے کو دبا دیا گیا۔ سنا ہے سوئس بینک 7 سال میں رقم دگنی کر دیتے ہیں۔ اس وقت وہ رقم دوبار دگنی ہو کر کم از کم 28000 ملین ڈالر ہو چکی ہوگی۔ معمر قضافی کا بھٹو کو دیا گیا بلینک چیک جس کے لیے شاہنواز بھٹو اپنے بہنوئی کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ صرف کچھ عرصہ پہلے ہماری سپریم کورٹ نے آصف زرداری کے ایک اکاؤنٹ میں موجود 60 ملین ڈالر بخش دیئے تھے۔... یاد ہیں کسی کو؟؟؟)

آصف زرداری اور نواز شریف کی مجموعی کرپشن کا حجم کم از کم 500 سے 600 ملین ڈالر کے لگ بھگ ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ پاکستان پر اس وقت کل قرضہ 78000 ملین ڈالر ہے۔ یعنی اگر ان کے چیلے چانٹوں کی کرپشن بھی ملا دی جائے تو کل قرضے کے برابر ہو جاتی ہے۔ اس 600 ملین ڈالر کی کرپشن کے خلاف اس وقت صرف ایک ہی شخص لڑ رہا ہے اور وہ ہے عمران خان۔ اور ہماری جاہل قوم فرماتی ہے کہ...'' عمران خان پر بھی 1 ملین ڈالر کی گڑ بڑ کا الزام ہے اسکی بھی تحقیقات ہونی چاہیں تا کہ انصاف ہو سکے۔'' یہ اُلو کی پٹھی قوم یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کر رہی اس طرح وہ اس اکلوتے شخص کے ہاتھ پاؤں توڑ رہی ہے جو عملا لڑ رہا ہے۔ جہاں تک زرداری اور نواز کا معاملہ ہے وہ دونوں اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر ایک گیا تو دوسرا بھی نہیں بچے گا اس لیے جمہوریت کے نام پر ایک دوسرے کی ڈھال بنے ہوئے ہیں۔

***

قدرت اللہ شہاب کی کتاب ''شہاب نامہ'' سے اقتباس

آئینہ

ایک دفعہ جب ابھی آئینہ عام نہیں ہوا تھا ایک آدمی کو سڑک پر پڑا ہوا آئینہ مل گیا۔ اُسے کسی نے بتایا تھا کہ اس کا کیا استعمال ہے اس لئے وہ روزانہ دفتر آئینہ دیکھ کر جاتا تھا ایک دفعہ اس کی بیوی (جس کو آئینہ کے بارے میں کچھ پتہ نہ تھا) س نے کہا کہ دیکھو تو یہ کون اتنا خوبصورت ہے جس کو روزانہ میرا شوہر دیکھ کر دفتر جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے شوہر کے دفتر جانے کے بعد دیکھ لیا اسے اپنی تصویر نظر آئی اس نے کہا یہ تو چڑیل ہے جسے میرا شوہر روزانہ دیکھ کر جاتا ہے اور فوراً اپنی ماں کے پاس آئینہ لے گئی جب ماں نے دیکھا تو اُسے اپنی تصویر نظر آئی اس نے دیکھ کر کہا بوڑھی ہے جلد مر جائے گی۔

بہترین پوسٹ ہے

احمد کھرل

اور جناب نے بجا فرمایا کہ شعور و آگہی کا تقاضا بھی یہی ہے رائے دہی اور تمام معمولات زندگی میں اک پڑھی لکھی عورت یا لڑکی کو پورا حق دیں آلو میں گوبھی تلاش مت کریں.. ہاں بیشک پڑھی لکھی لڑکی میں یہ شعور بیدار کریں کہ وہ بڑوں کی عزت کو ممکن بنائے. کسی بڑے کی بات کو درمیان میں سے نہ کاٹے..

دلائل سے قائل کرے اپنا فیصلہ صادر فرمانے سے قبل.. گھر کا سربراہ یہ اک ایسا پہلو ہے اس تصویر کا جس کا تعین ابھی ہونا باقی ہے کہ اک پڑھی لکھی لڑکی کو گھر کا سربراہ بنایا جائے یا اس کے اَن پڑھ باپ یا سسر کو؟ پڑھی لکھی لڑکی کو یا اس کے پڑھے لکھے شوہر کو؟؟ ہمیشہ کوئی بھی قوم ملک یا گھر اک سربراہ کے بغیر فعال نہیں ہوسکتا اور پھر سربراہ کی مکمل تابعداری بھی لازم ہے.. مگر میں تذبذب کا شکار ہوں اس تحریر کو پڑھنے کے بعد کہ آیا اک گوبھی آلو کو سربراہ مانے گی یا نہیں... اب بجلی کے بل ہماری پڑھی لکھی عورت جمع کرواتی ہے اور آلو گھر میں لیٹے اسکے شعور و آگہی کے گن گاتے پھریں تو کیا ہماری دینی تعلیمات سے یہ شعور و آگہی متصادم تو نہیں؟ حقوق بیشک ادا ہونے ضروری ہیں مگر فرائض کی آگہی کی ضرورت ابھی باقی ہے..

آپ کو اختلاف کا حق ہے

طالب دعا: ندیم احمد فرخ

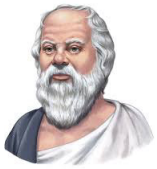

سقراط۔ ایک عظیم اُستاد. میرے پسندیدہ کریکٹرز میں سے ایک سقراط ہے. سقراط کی درسگاہ دوسرے فلاسفروں کے مدارس سے مختلف تھی، سقراط ہمیشہ مکالمے کو اہمیت دیتا تھا چنانچہ اُسکی درسگاہ میں مختلف خیالات کے حامل لوگوں کو اکٹھا ٹھہرایا جاتا تھا۔ یہ متضاد خیالات کے لوگ ہوتے تھے، یہ اکٹھے رہتے، اکٹھے کھاتے، پیتے، مطالعہ کرتے، ورزش کرتے اور پانی کے ایک ہی تالاب میں نہاتے اور ہر وقت مکالمہ اور گفتگو میں مگن رہتے تھے۔ یہ اپنے اپنے موقف کی سچائی میں دلائل دیتے، جواز تراشتے، منطق گھڑتے، سقراط کے شاگرد چوبیس گھنٹے کے دانشور ہوتے، یہ رات کو سوتے سوتے اچانک اُٹھ کر بیٹھ جاتے اور اپنے مخالف کو جگا کر کہتے کہ مجھے تمہارے سوال کا جواب مل گیا ہے۔ میری بات سنو اور وہ اس کے بعد اپنی دلیل دینا شروع کر دیتے، یہ لوگ اس وقت تک دلائل ڈھونڈتے رہتے جب تک دوسرا فریق ہار نہیں مان لیتا، لیکن یہ لڑائی صرف زبانی اور دلائل کے ساتھ کرتے، کوئی دانشور، عالم، شاگرد، دست و گریبان نہیں ہوتا تھا۔ سقراط نے اپنی درسگاہ کا صرف ایک ہی اصول رکھا اور وہ تھا برداشت، یہ لوگ ایک دوسرے کے خیالات کو تحمل سے سنتے اور اپنی رائے پیش کرتے، جو شاگرد ایک خاص حد سے اُونچی آواز میں گفتگو کرتا، دوسرے کو گالی دیتا، دھمکی دیتا، جسمانی لڑائی کرتا اس کو فوراً درسگاہ سے فارغ کر دیا جاتا۔ سقراط کے نزدیک اختلاف، دلائل، منطق پڑھے لکھے لوگوں کا کام ہے، یہ فن جب تک پڑھے لکھے، عالم اور فاضل لوگوں کے پاس ہوتا، معاشرہ ترقی کرتا رہتا اور جب مکالمہ یا اختلاف جاہل لوگوں کے ہاتھ آجاتا تو پھر معاشرہ انارکی، افراتفری، پستی کا شکار ہوجاتا ہے۔ سقراط کے شاگرد معاشرے میں ایک خاص فقرے سے پہچانے جاتے، جب بھی یہ لوگ کسی محفل، بیٹھک، ہجوم میں کوئی خلافِ فطرت یا خلافِ فہم بات سنتے یا دیکھتے تھے تو یہ دایاں ہاتھ فضا میں بلند کر کے کہتے ''مجھے اختلاف ہے۔'' لوگ جان جاتے کہ یہاں کوئی عظیم فلاسفر سقراط کا کوئی شاگرد موجود ہے، یہ گروپس بھی ایسے ہی مکالمہ کے لئے بنائے جاتے ہیں کہ..... آئیں اور ہاتھ کھڑا کریں اور بولیں ''مجھے اختلاف ہے'' کیونکہ یہ آپکا حق ہے دلائل دیں اور دلائل لیں...

واہ کینٹ کا تعارف

عاصی صحرائی

یہ ذکر ہے سن 1580 کا جب واہ کا نام واہ نہیں ''جلالسر'' ہوا کرتا تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان میں مغل بادشاہ اکبر کی حکومت تھی۔ شہنشاہ اکبر کے ایک وزیر راجہ مان سنگھ جو شہنشاہ جہانگیر کے برادرِ نسبتی بھی تھے ان کو 1581 میں یہاں تعینات کیا گیا تا کہ وہ دشمنوں کو اٹک پار کرنے سے روک سکیں۔ یہ وہی راجہ مان سنگھ ہیں جن کے نام پر پاکستان کے ایک بہت خوبصورت شہر اور سیاحتی مقام مانسہرہ (ناران، کاغان، بالاکوٹ وغیرہ) کا نام مانسہرہ رکھا گیا۔ راجہ مان سنگھ 1581 سے 1586 تک یہاں رہے اسوقت حسن ابدال اور جلالسر کی پہاڑی (موجودہ واہ گارڈن) آپس میں ملی ہوتی تھیں اور ایک وادی کا منظر پیش کرتی تھیں جہاں سے اب جی۔ٹی روڈ گزرتا ہے۔ چنانچہ راجہ مان سنگھ نے اس جگہ کا انتخاب کیا اور یہاں بارہ دروازوں پر مشتمل ایک باغ اور خوبصورت تالاب بنایا جس کو آج کل مغل گارڈن واہ یا واہ گارڈن کہا جاتا ہے۔ ۲۹۔اپریل 1607 کو مغل بادشاہ جہانگیر کابل جاتے ہوئے جب یہاں سے گزرے تو یہ خوبصورت جگہ دیکھتے ہی ان کی زبان سے نکلا ''واہ''۔ چونکہ مغلوں کی زبان فارسی تھی اور فارسی میں واہ حیرت کے اظہار کے لیئے بولا جاتا ہے۔ لہذا شہنشاہ کا یہ لفظ تاریخ کے ورق پہ ثبت ہو گیا اور اس علاقے کو جلال سر کی بجائے ''واہ'' کہا جانے لگا۔

اس جگہ کا ذکر بادشاہ جہانگیر نے اپنی کتاب میں بھی کیا جس میں وہ لکھتے ہیں کہ ''بارہویں محرم 1401 ہجری بابا حسن ابدال میں قیام کیا۔ اس مقام کی مشرقی سمت میں ایک کوس کے فاصلے پر ایک آبشار ہے جس کا پانی بہت تیزی سے گرتا ہے اور اس تالاب کے وسط میں آبشار کا منبع ہے۔ راجہ مان سنگھ نے ایک مختصر سی عمارت بنوائی ہے، تالاب میں چوتھائی گز لمبی مچھلیاں بکثرت ہیں۔ میں نے اپنے ہاتھوں سے جال ڈال کر دس بارہ مچھلیاں پکڑیں اور ان کی ناک میں موتی ڈال کر پھر پانی میں چھوڑ دیا۔'' تخت نشینی کے بعد شاہ جہاں نے سن 1639 میں پہلی بار یہاں قیام کیا اور اپنے مرکزی محکمہ تعمیرات کو یہاں بلایا اور عمارت کو از سرِ نو تعمیر کرانے کا حکم دیا، اس دور کے ماہرِ تعمیرات احمد معمار لاہوری نے یہاں کے باغوں، محلات اور سرائے کے نقشے تیار کیے اور دو سال تک اپنی نگرانی میں تعمیر کرایا۔ اس باغ کی تعمیر مُغلیہ طرز پر کی گئی اور خوبصورت نہریں بنوائی گئیں۔ اس تالاب کے عقب میں نظر آنے والی پہاڑی حسن ابدال کی ہے۔ شاہ جہاں کے ہم عصر مورّخین عبدالحمید لاہوری نے اس باغ کو بہشتِ امین اور محمد صالح کنبوہ نے قائم مقامِ گلستانِ ارم کے انقلاب سے منسوب کیا۔ باغ کی تکمیل کے بعد مغل بادشاہ شاہ جہاں نے مزید چار دفعہ سن 1646, 1647, 1649 اور 1654 میں یہاں قیام کیا۔ اس کے بعد مغل دور کے بہت عظیم، روشن ضمیر اور نیک بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے بھی جولائی 1676 میں یہاں قیام کیا۔ اس کے بعد 1747 سے 1826 کے دوران احمد شاہ دُرانی اور پھر 1826 سے 1849 کے دوران سکھ دور میں یہ باغ بہت بُری طرح متاثر ہوا۔ پھر جب انگریزوں کا دور آیا تو 1865 میں برٹش حکومت نے یہ باغ نواب محمد حیات خان کے حوالے کر دیا جن کی قبر ابھی بھی واہ گارڈن کے تالاب کے کنارے موجود ہے۔ قیامِ پاکستان کے بعد 1948 میں قائداعظم محمد علی جناح نے واہ کے اس علاقے میں پاکستان آرڈیننس فیکٹریز (POF) کا سنگِ بنیاد رکھا اور کچھ عرصے بعد POF کے لیئے رہائشی منصوبے (کوارٹرز) کا بھی افتتاح کیا گیا اور واہ کو کینٹ یعنی چھاؤنی کا درجہ دے دیا گیا اور آج یہ شہر پاکستان کے سب سے خوبصورت شہروں میں سے ایک ہے۔ اللہ ہمارے واہ کینٹ کو ہمیشہ قائم اور امن کا گہوارہ بنائے رکھے۔ آمین

***

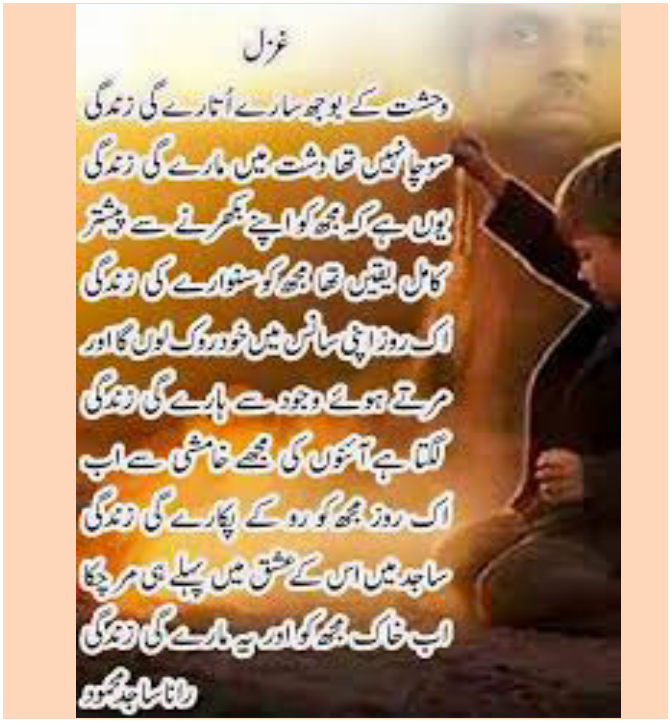

ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن برطانیہ کا عیدملن کا ایک دلچسپ پروگرام (TICOSA UK)

سید حسن خان
سیکرٹری اشاعت

عیدالفطر کے تیسرے دن 28 جون بروز بدھ بوقت چھ بجے شام نزد مسجد بیت الفتوح ایک دوست کے گھر میں منعقد ہوا۔محترم مبارک احمد صدیقی صاحب صدر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن یوکے اور ممبران مجلس عاملہ برطانیہ نے ایک زبردست عیدملن پروگرام کا اہتمام کیا۔جس کے انتظامات چوہدری عبدالمنان اظہر صاحب سیکٹری مال اوران کی ٹیم نے بڑے احسن رنگ میں ادا کئے۔پروگرام کا آغاز تلاوت قرآن کریم سے ہوا جو کہ محترم عبدالقدیر کوکب صاحب نے کی بعد میں محترم صدر صاحب نے دُعا کے ساتھ پروگرام کا آغاز کیا۔آپ نے سامعین پر واضح کیا کہ ہماری یہ محفل صرف اور صرف کھانے پینے کے اور مزاحیہ پروگرام پر ہی مشتمل ہوگی اس میں دوستوں کو بھی شامل ہونا ہوگا،جن میں سب دوستوں کو حصہ لینا چاہئے۔

سب سے پہلے صدر م بشیر احمد اختر صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ وہ چند منٹ اپنی زندگی کے ایمان افروز واقعات بیان کریں۔لہٰذا انہوں نے کہا خدا تعالیٰ کے فضل سے انہیں جماعت احمدیہ کی طرف سے دی گئی خدمات کو افریقہ میں احسن رنگ میں بطور ٹیچر اور ہیڈ ماسٹر ادا کرنے کا موقع نصیب ہوا۔آپ نے فرمایا کہ آپ نے افریقہ میں تقریباً بیس سال بطور ہائی سکولز میں ہیڈ ماسٹر/ پرنسپل کے طور پر خدمت کرنے کا خدا تعالیٰ نے موقع دیا۔اس کے بعد پھر انگلستان میں بھی آکر جماعت کی خدمت ادا کرنے کی توفیق ملی۔اس کے علاوہ اور بہت سے ایمان افروز واقعات آپ نے بیان کئے۔اس کے بعد پروگرام کے مطابق صدر صاحب نے تمام احباب کو کہا کہ وہ محترم شفیق احمد میر صاحب کو دی گئی ہدایت کے مطابق چند مقابلہ جات میں حصہ لیں نیز کہا ان مقابلہ جات میں اوّل اور دوئم آنے والوں کو انعامات تقسیم کئے جائیں گے۔جس پر سب چھوٹے بڑوں نے بخوشی حصہ لیا۔ان مقابلہ جات میں محترم مولانا نسیم باجوہ صاحب نے بھی حصہ لیا۔اس کے بعد فرسٹ اور سیکنڈ آنے والے دوستوں میں باقاعدہ انعامات تقسیم کئے گئے۔ان مقابلہ جات کے بعد جج صاحب کے ہی گھر میں ایک کمرے میں شعروشاعری کا پروگرام ہوا۔مجاہد جاوید نے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کلام خوب خوش الحانی سے

سنایا۔اس کے بعد محترم صدر مبارک صدیقی نے اپنے خوبصورت کلام سے سامعین کو خوب مسرور کیا۔ اسی طرح رانا عبدالرزاق خان ، عاصی صحرائی ،عبدالقدیر کوکب، آصف علی پرویز، نے اپنا کلام سنایا۔اس سارے پروگرام کی جیوٹی وی کی طرف سے آئے ہوئے احباب نے باقاعدہ فوٹوگرافی کے ساتھ چند احباب سے انٹرویو بھی لئے۔ان انٹرویوز میں صدر صاحب، نے ان کوٹی آئی کالج ایسوسی ایشن کی خصوصیات بیان کیں کہ کیسے ہم باقاعدہ اکٹھے ہوکر پروگرامز بناتے ہیں اور غرباء کی مدد کیلئے چندہ بھی اکٹھا کر کے ان کی مدد کرتے ہیں۔اور غریب ممالک میں سکول بھی بنانے میں مدد کرتے ہیں۔وغیرہ وغیرہ،بعدازاں یہ پروگرام کی خبر جیو نیوز پر نشر بھی ہوئی۔

پروگرام کی کچھ جھلکیاں یوٹیوب پر لائیو نشر کی جاتی رہیں ۔اسی طرح محترم مولانا نسیم باجوہ صاحب اور محترم سرافتخار ایاز صاحب کے ساتھ ٹی آئی کالج ایسوسی ایشن کی عاملہ ممبران کے ساتھ فوٹو بھی کھینچے گئے۔ پروگرام کے مطابق کھانے کا انتظام کیا گیا۔جس میں مزیدار کباب اور تکّے نان کے ساتھ سامعین کو پیش کئے گئے ۔ چوہدری عبدالمنان اظہر صاحب کی طرف سے کباب اور تکے

وغیرہ بنانے کی ٹیم جس میں نذیر بادل صاحب ،ججہ صاحب،سلمان ڈوگر صاحب،اور دوستوں نے بڑی تیاری کر کے سامعین کی خوب تواضع کی ۔اور تمام دوستوں نے اس کھانے سے خوب انجوائے کیا۔ بعد میں میٹھے کے طور پر زردے سے دوستوں کی میزبانی کی گئی۔آخر میں مہمان خصوصی محترم سرافتخار ایاز صاحب سے صدر صاحب نے درخواست کی آخر میں وہ اپنے سامعین کو خطاب فرمائیں۔لہٰذا سرافتخار ایاز صاحب نے سامعین سے خطاب کیا جس میں آپ نے عید کی خوشیاں منانے کے آداب کے بارہ میں چند منٹ کا اظہار فرمایا۔جس سے تمام دوستوں نے آپ کے خطاب کو سنا اور شکریہ ادا کیا۔آپ کے خطاب کے بعد سر افتخار یاز صاحب نے اس خوبصورت پروگرام کے اختتام پر دعا بھی کرائی۔خدا تعالیٰ کے فضل سے اس پروگرام میں حصہ لینے والوں کی تعداد تقریباً 90 کے قریب رہی۔ بالآخر یہ پروگرام تقریباً رات نو بجے کے قریب اختتام پذیر ہوا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح ہمارے صدر صاحب جناب مبارک احمد صدیقی صاحب کی زیرصدارت ہم ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے ممبران کو اسی جذبہ کے ساتھ مزید پروگرام منعقد کرتے رہنے کی توفیق ملتی رہی اور اسی جذبہ سے غرباء کی امداد کا جذبہ ہمیشہ مدِّ نظر رہے۔آمین۔

ابن الوقت قوم

ووٹ: نوازشریف کو۔
جلسہ: عمران خان کا۔
مدد: چیف آف آرمی سے۔
قرضے: چین سے۔
اسلحہ: امریکہ سے۔
سدابہار دشمنی: انڈیا سے۔
سیاسی پناہ: برطانیہ میں
حکومت: ترکی جیسی
رہائش: یورپ میں
نوکری: سرکاری،
آمدن: بِل گیٹ جیسی ۔
تعلیم کی خواہش: امریکہ میں،
فلم کا شوق: انڈیا کی
لائف سٹائل: رونالڈو جیسا
رہنمائی: میڈیا اینکرز سے
مشغلہ: ملاوٹ کرنا
شوق: جھوٹ بولنا
قومی مسئلہ: رشوت خوری
انڈر اٹیک: دہشت گردی
قانون کا اطلاق: صرف غریبوں پر
دعویٰ: دنیا کی امامت کا
دفن کی خواہش: مدینے میں
آخرت کا یقین: صرف جنت

***

بلاتبصرہ- ایک خط
(جس سے ایڈیٹر کا متفق ہونا
ضروری نہیں)

مودی-اسرائیل-اور جماعت احمدیہ

جب یہ تین لفظ اکٹھے بولے جائیں تو یقیناً اس کچے ذہن ہوئے بڑا ہوا ہے کہ احمدی یہود و ہنود کے ایجنٹ ہیں۔ پودے کو پانی دینے کیلئے ایسی سازشی تھیوریز کی تلاش وزیراعظم نے اسرائیل کا دورہ کیا تو اسرائیلی حکومت نے رہنماؤں سے بھی کروایا۔ دراصل بھارت سے ہماری ذہن سازی نے ہمارے دلوں میں جو ایک یہودی کا کومزید تقویت ملتی ہے جو بچپن سے ملاں و منبر سے سنتے اس مائنڈ سیٹ کو انگڑائی آتی ہے جو اپنی نفرت کے میں رہتا ہے۔ ایسا ہی کچھ چند روز قبل ہوا جب بھارتی ان کا مصافحہ ملک میں بسنے والے تمام عقائد کے نفرت کا تو ہمیں پتا ہے۔ اسرائیل سے متعلق یکطرفہ نقشہ کھینچ رکھا ہے وہ کسی دیومیکل سازشی قاتل دجال سے کم نہیں۔لیکن اب اس سازشی تھیوری کی دوسری تصویر بھی دیکھیئے۔اسرائیل کی آبادی قریب 85 لاکھ نفوس پہ مشتمل ہے۔جس میں قریب 20 لاکھ اسرائیلی مسلمان بستے ہیں۔اوران کی اکثریت اپنے ملک سے وفادار ہے۔ بہت سے مسلمان پارلیمان سے لے کر فوج پولیس ہر ادارے میں کام کرتے ہیں۔مودی سے صرف احمدی مسلم رہنما نے ہی ملاقات نہیں کی تھی بلکہ تمام مسلم و غیر مسلم کمیونیٹیز کے سربراہان نے کی تھی۔تو اگر یہودی ایجنٹ ہیں تو پھر سارے ہی ہیں۔رہی بات کہ مودی سے اس اسرائیلی احمدی عربی رہنما نے خوش کلامی اور شکریہ کیوں کیا۔تو جناب اس کیلئے مسلمان پہلے احمدیوں کے ساتھ اپنے ممالک میں سلوک دیکھ لیں جواب مل جائے گا۔ان 57 مسلم ممالک کے بیچ محض اسرائیل و بھارت ہی ہیں جو اپنے مسلم ملکی شہریوں کو نسبتاً آزادانہ مذہبی حقوق دیتے ہیں۔جماعت احمدیہ کی بنیاد ہی قادیان بھارت سے ہوئی۔قادیان ہی میں مرکز ہے۔وہاں ہونے والے سالانہ جلسے سے لے کر پورے ملک میں احمدیوں کے تحفظ کیلئے اگر بھارتی حکومت تعاون کرتی ہے تو اس کے پیچھے جماعت احمدیہ کا مجموعی امن پسند اور ماحول دوست کردار ہے۔جماعت احمدیہ ایک عالمی امن کا تاثر رکھتی ہے۔اور اپنے اپنے ملک میں موجود احمدی خواہ وہ کسی بھی ملک سے ہوں مکمل وفا کرتے ہیں۔ بھارت میں سیاسی اسلامیوں اور شدت پسندوں سے بی جے پی کے الجھاو کے پیش نظر اگر مسلمانوں پہ سختی آئی ہے تو اس میں بھی بھارتی ملاں اور مذہبی جزبات ابھار کے مسلم ووٹ لینے والے نام نہاد سیاسی مسلم رہنماؤں کا بدکردار بھی ایک اہم حصہ ہے۔رہا اسرائیل تو جماعت احمدیہ اس کی سیاسی سطح پہ کھل کے مخالفت کرتی آئی ہے۔ یہاں تک کہ 1948 میں اقوام متحدہ کے فورم پہ اسرائیل کی تخلیق کے خلاف سب سے اہم کام کرنے والے بھی احمدی وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان تھے۔جس دور میں سابق پاکستانی جنرل اور اس وقت کا بریگیڈیئر ضیاء الحق فلسطین میں ہزاروں مسلمانوں کا قتل کر رہا تھا۔جس میں ایک بلیک منڈے بھی مشہور ہے جس دن اس نے 2 ہزار فلسطینی کو قتل کیا۔اس وقت احمدی خلیفہ مسلم رہنماؤں کو اسرائیل کی عالمی زائنیسٹ لابنگ اور اسلام کو سعودی سیاسی اسلام کے ذریعہ تباہ کرنے کی سازش سے متنبہ کر رہے تھے۔ باوجود اس کے دنیا میں یہودیوں کی ایک بھاری تعداد ہے جو اسرائیل کی ظالمانہ سیاسی پالیسیز کی مخالف ہے۔ یہ وہی یہودی ہیں جن کو رسول پاک ﷺ نے اپنی مسجد میں قیام اور اپنی یہودی عبادت کو مسجد میں جاری رکھنے کی اجازت دی تھی۔اور یہ وہی یہودی ہیں جن کے مردے کی راہ گزرتی میت کی تعظیم میں رسول پاک ﷺ کھڑے ہو جاتے رہے۔ یہ وہی یہود ہیں جن سے رسول پاک ﷺ نے خود امن معاہدے کئے۔احمدی مسلمان تو پوری کائنات سے محبت کے داعی ہیں۔ہمیں تو نہ یہودی سے نفرت ہے اور نہ ہی ہندو سے۔ہمیں تو رحمت اللعالمین ﷺ نے رحمت سکھائی ہے۔ایجنٹ تو چھپ کے کام کرتے ہیں۔ یہ کونسی ایجنٹی ہے کہ ایجنٹ بشمول دیگر مسلم رہنماؤں کے سرعام خود کو پکڑوا رہے ہیں۔بھئی آپ کے خلاف تو شاید اب کسی کو سازش کی ضرورت بھی نہیں ہے۔کراچی سے پارا چنار اور عراق افغانستان شام یمن لیبیا سے مصر تک جو خون کا گارا بن رہا ہے یہ آپ کی اپنی ہی کے خنجر و تلوار کو لگا ہوا ہے۔احمدی ہر اُس سیاسی مذہبی و عالمی شخصیت کے مشکور ہیں جو ہم کو اپنے ممالک میں آزادانہ مذہبی حقوق فراہم کرتے ہیں۔اور بدقسمتی سے اس میں نام نہاد مسلم ممالک نہ ہونے کے برابر ہیں۔تو پھر شکریہ بھی انہی کا ادا ہوگا جو حق دے گا۔ چاہے وہ یہود ہو یا ہنود! دوسرے یہ کہ آپ کو تو فرق پڑنا نہیں چاہے احمدی وفا میں کٹ مریں اور اپنے ممالک سے خلوص میں پہلی صف میں ہی ہوں۔آپ نے غدار و کافر کا ٹھپہ ہی مارنا ہے۔ مارتے رہیئے ٹھپے۔دیکھتے ہیں کتنا عرصہ مزید سچ کو چھپا پاتے ہو۔

مسلم ممالک کا مستقبل

تحریر: ظہیر اختر بیدی بشکریہ: ایکسپریس نیوز

۵۷ مسلم ممالک کے لگ بھگ ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے مستقبل کو اب جو سب سے بڑا خطرہ درپیش ہے وہ ہے مذہبی انتہا پسندی۔ مذہبی انتہا پسندی کسی نہ کسی شکل میں اگرچہ مسلم ممالک میں موجود رہی ہے لیکن 9/11 کے بعد مذہبی انتہا پسندی میں جس شدت سے اضافہ ہوا ہے، اس سے مسلم ملک ہی نہیں بلکہ ساری دنیا خوفزدہ ہے، مذہبی انتہا پسندی کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ ایک انتہا پسندی وہ ہے جو مسالک کے حوالے سے مسلمانوں کو خاک وخون میں نہلا رہی ہے جس کا مشاہدہ ہم پاکستان، عراق اور شام میں کر سکتے ہیں۔ پاکستان میں شدت پسندی کی خوفناک جنگ میں 50 ہزار سے زیادہ بے گناہ پاکستانی مسلمان مارے گئے ہیں۔ خودکش حملے دہشت گردی کا سب سے مہلک ہتھیار بنے ہوئے ہیں۔

ویسے تو دہشت گردی کی ہر واردات ہی خوفناک ہوتی ہے لیکن پشاور میں آرمی پبلک اسکول میں معصوم طلبا کا جو قتل عام کیا گیا۔ اس سے مذہبی انتہا پسندی کے عفریت کی خوفناکی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بلوچستان میں ایران جانے والے زائرین کو بسوں سے اتار کر ان کے شناختی کارڈ دیکھ کر جس طرح گولیوں سے بھون دیا گیا۔ کوئٹہ میں بار بار جس بربریت کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور گلگت بلتستان میں فرقہ واریت کے حوالے سے معصوم انسانوں کا جس طرح خون بہایا جاتا رہا ہے یہ ایسے شرمناک المیے ہیں جس کی وجہ ساری دنیا میں مسلمان اور دین اسلام بدنام ہو کر رہ گئے ہیں اور دنیا مسلمانوں کو ایک وحشی قوم کا نام دے رہی ہے۔ عراق میں آئے دن دہشت گردی خودکش حملوں بم دھماکوں میں دونوں فقہوں سے تعلق رکھنے والے سیکڑوں لوگ انتہائی المناک موت کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس بربریت کا دائرہ عبادت گاہوں تک پھیلا ہوا ہے۔ جوہری مسئلے پر امریکا کے ساتھ ایران کے معاہدے کے بعد صورتحال اور زیادہ نازک ہوتی نظر آ رہی ہے۔ ایران اور امریکا کے درمیان جوہری پروگرام پر جو معاہدہ ہوا ہے اس پر ساری دنیا میں اطمینان کا اظہار کیا جا رہا ہے لیکن عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب اس معاہدے کو خلیجی ممالک کی تباہی کا نام دے رہے ہیں، اس سیاست سے مسلم ممالک کے درمیان موجود نظریاتی خلیج کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ مذہبی انتہا پسندی کا دوسرا حصہ داعش جیسی تنظیموں کی سرگرمیوں پر مبنی ہے یہ مذہبی انتہا پسند تنظیم مسلم دنیا میں خلافت کے قیام کی دعویدار ہے بلکہ اس تنظیم نے اپنا ایک خلیفہ چن لیا ہے لیکن دنیا حیرت سے دیکھ رہی ہے کہ اس تنظیم کے مجاہدین آئے دن مسلمانوں کو ذبح کر رہے ہیں۔ مسلم عوام اس تنظیم کے بے رحمانہ قتل وغارت پر حیران ہیں کہ دنیا بھر میں اسلام کو سربلند کرنے کی دعویدار یہ تنظیم مسلمانوں کو کس بے دردی سے ذبح کر رہی ہے۔ اسی تناظر میں کہا جا رہا ہے کہ اسے اسرائیل کی حمایت حاصل ہے جس کا مقصد دنیا میں مسلمانوں اور اسلام کو بدنام کرنا ہے۔ اس بدترین صورتحال کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ مسلم ممالک مجموعی طور پر ابھی تک قبائلی کلچر سے باہر نہیں آ سکے اور اس کی دوسری بڑی وجہ یہ نظر آتی ہے کہ مسلم ملک ابھی تک بادشاہتوں اور خاندانی قبائلی حکمرانی کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، ان ممالک میں کہیں عوامی جمہوری نظام نظر نہیں آتا جو قومی اور بین الاقوامی مسائل کو اپنی اجتماعی دانش سے حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اس کے فیصلے قوم وملک کے اجتماعی مفادات میں ہوتے ہیں جب کہ مسلم ممالک میں یا تو جمہوریت کے نام پر اشرافیہ کی خاندانی حکمرانیاں قائم ہیں یا یہ ملک براہ راست ماضی کی بادشاہتوں کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں، جہاں فیصلوں کا اختیار جابر حکمرانوں کو حاصل ہے اور ان کے فیصلے قوم اور ملک کے اجتماعی مفادات کے حق میں ہونے کے بجائے اپنے انفرادی اجتماعی اور خاندانی قبائلی مفادات کے حق میں ہوتے ہیں۔

یہ صورتحال 57 مسلم ممالک میں رہنے والے ڈیڑھ ارب سے زیادہ مسلمانوں کے مستقبل پر موت کی طرح منڈلا رہی ہے اور کسی ملک کو اس صورتحال پر نہ تشویش ہے، نہ اس صورتحال کو بدلنے کے لیے کوئی آگے آتا نظر آتا ہے۔ مسلم ممالک کی ایک نمایندہ تنظیم او آئی سی کی شکل میں عشروں سے موجود تو ہے جس کا کام مسلم ممالک کی اجتماعی بھلائی اور ان کے درمیان موجود تنازعات کو حل کرنا ہے لیکن بدقسمتی یا سازش کی وجہ یہ تنظیم امریکا کی پٹھو بنی ہوئی ہے اور مسلم ممالک کے انفرادی اور اجتماعی مسائل سے قطعی لاتعلق ہے۔ مسلم ممالک میں بڑھتی پھیلتی پھولتی مذہبی انتہا پسندی نے عوام کے مستقبل کو یرغمال بنا لیا ہے لیکن او آئی سی ٹس سے مس نہیں ہوتی۔ کیا 57 مسلم ممالک میں کوئی ایسی طاقت موجود ہے جو مسلم ممالک کے عوام کے مستقبل کو مذہبی انتہا پسندی اور دہشت گردی کے چنگل سے نکالنے کی صلاحیت رکھتی ہو؟

ہتھیار، ہتھیار ہتھیار

تحریر: ظہیر اختر بیدی

دنیا میں بے شمار صنعتیں کام کر رہی ہیں جو عموماً انسانوں کی بنیادی ضروریات کو پورا کرتی ہیں اور انھیں ایک بہتر اور پرامن اور پرمسرت زندگی گزارنے کے مواقع فراہم کرتی ہیں، ان صنعتوں سے انسانی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ لیکن دنیا کی بڑی صنعتوں میں ایک بڑی اور انتہائی منافع بخش صنعت ''اسلحہ سازی'' کی صنعت ہے، اس صنعت کی ہر پروڈکٹ انسانوں کی جان لینے کا کام انجام دیتی ہے۔ اور بے شمار ملک اس صنعت میں خودکفیل ہونے کی جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔ اسلحے کی صنعت میں اسلحے کے ہزاروں ماہرین اسلحے کو زیادہ سے زیادہ خطرناک بنانے کے لیے دن رات کام کر رہے ہیں۔ اس حوالے سے ایک دلچسپ اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اسلحہ سازی کے ادارے ''اسلحے کی نمائش'' کا اہتمام کرتے ہیں اور دنیا بھر کے وہ ممالک جنھیں اسلحے کی ضرورت ہوتی ہے ان نمائشوں میں شرکت کر کے اپنی مرضی اور پسند کا اسلحہ خریدتے ہیں۔ میں جب بھی اسلحے کی نمائشوں کے حوالے سے پروپیگنڈے اور بیچنے والوں کی طرف سے اسلحے کی تعریف میں بیانات دیکھتا ہوں تو میرے ذہن میں ایک منطقی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہم لوگ انسان کہلانے کے مستحق ہیں؟ کیا اسلحہ انسان کی کوئی بنیادی ضرورت پوری کرتا ہے؟ کیا اسلحہ بھوکے کو روٹی، بیمار کو علاج فراہم کرتا ہے؟ کیا اسلحے کا تعلق زندگی کو بہتر بنانے اور زندگی کے تسلسل کو جاری رکھنے سے ہے؟ نہیں، نہیں، نہیں۔ بلکہ اسلحہ خواہ اس کی قسم کوئی ہو اسلحہ خواہ ہلکا ہو یا بھاری سب کا کام انسانوں کی جان لینا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلحے کا اور کوئی مصرف نہیں۔

اگر حقیقت یہی ہے تو پھر کیا دنیا کے دانشوروں، مفکروں، فلسفیوں، ادیبوں، شاعروں، فنکاروں نے اسلحہ سازی اور اسلحے کے استعمال کے خلاف کوئی منظم اور مربوط کوششیں کی ہیں؟ ایکسپریس میں میرا پہلا کالم اسلحے کی پیداوار اور اس کے نقصانات کے حوالے سے تھا اور میرے افسانوی مجموعے ''ریگ زار'' میں اسلحے کی تباہ کاریوں کے اور اسلحہ سازی کے خلاف کئی افسانے موجود ہیں، لیکن المیہ یہ ہے کہ ایسا ادب ایسی شاعری عوام تک رسائی حاصل کرنے سے محروم ہے۔ آج ایک بار پھر میں اسلحے اور اسلحے کی صنعتوں کی تباہ کاریوں کے خلاف اس لیے لکھ رہا ہوں کہ دو خبریں میرے سامنے ہیں ایک خبر کی سرخی ہے ''سعودیہ اسلحے کا سب سے بڑا خریدار بن گیا، ہندوستان کا نمبر دوسرا ہے۔'' اس خبر کی تفصیل میں بتایا گیا ہے کہ دنیا میں اسلحے کی خریداری میں سعودی عرب ہندوستان سے بھی بازی لے گیا۔ 2014ء میں سعودی عرب اسلحہ خریدنے والا دنیا کا سب سے بڑا ملک بن گیا۔ عالمی معیشت اور عالمی منڈی پر تحقیق کرنے والے ایک ادارے نے ''ای ایچ ایس'' اپنی ایک رپورٹ میں انکشاف کیا ہے کہ گزشتہ 6 برسوں کے دوران دنیا بھر کی اسلحے کی منڈیوں میں اسلحے کی تجارت میں تیزی سے اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔ 2014ء میں اسلحے کی کل تجارت 4.64 ارب ڈالر ہوئی جس میں سب سے بڑا حصہ سعودی عرب کا رہا۔ رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ اسلحے کی تجارت میں ریکارڈ اضافے کی بڑی وجہ معاشی ترقی کرنے والے ملکوں کی جانب سے فوجی طیاروں کی مانگ میں اضافہ اور مشرق وسطیٰ اور ایشیائی بحرالکاہل کے خطے میں بڑھتی ہوئی کشیدگی ہے۔ 2013ء کی طرح 2014ء میں بھی امریکا اسلحہ فروخت کرنے والا سب سے بڑا ملک رہا۔ اس کے بعد روس، فرانس، برطانیہ اور جرمن اسلحہ فروخت کرنے والے بڑے ملک بن رہے۔ سعودی عرب کے اسلحے کی خریداری کے آرڈر کو دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ 2015ء میں سعودی عرب کی خریداری کی لاگت 8.9 ارب ڈالر ہو جائے گی جو اسلحے کی تجارت کا 52 فیصد حصہ ہوگی رپورٹ کے مطابق مشرق وسطیٰ اسلحے کی سب سے بڑی علاقائی منڈی ہے اور آنے والے 10 برسوں میں اس علاقے میں اسلحے کی خریداری میں 12 سو فیصد اضافہ ہو جائے گا۔ اشرف المخلوقات کا تمغہ سینے پر سجایا ہوا انسان ان خبروں کے پس منظر میں کیا اشرف المخلوقات کہلوانے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ بلاشبہ انسان کے جانی تحفظ کے لیے ہتھیار کی ضرورت ہوتی ہے۔ پتھر کے دور کے انسان بھی اپنی جانوں کے تحفظ کے لیے پتھر کے ہتھیار بناتے تھے لیکن پتھر کے دور کے ننگ دھڑنگ انسانوں کو حیوانوں اور درندوں سے اپنی جانوں کو خطرہ تھا اور وہ درندوں سے اپنی جانوں کو بچانے کے لیے پتھر کے ہتھیار بناتے تھے انھیں اپنے جیسے انسانوں سے کوئی خطرہ نہ تھا۔ آج اکیسویں صدی کے انتہائی ترقی یافتہ انسان کو انسان ہی کی طرف سے خطرات لاحق ہیں اور وہ ان خطرات سے

بچنے کے لیے نت نئے میزائل بنا رہا ہے۔ ابتدائی انسانی دور میں قوم اور ملک کا کوئی تصور موجود نہیں تھا، آج کی مہذب دنیا میں قوم ملک کو روشناس کرایا گیا اور انسانوں کی نمایندہ ایک قوم و ملک کو دوسری قوم و ملک سے خطرات لاحق ہیں اور انھیں خطرات سے بچنے کے لیے آج کا ترقی یافتہ مہذب انسان جدید سے جدید ہتھیار تیار کر رہا ہے۔ عالمی اداروں کی سروے رپورٹس کے مطابق ہر سال لاکھوں انسان بھوک اور بیماری سے مر جاتے ہیں، لاکھوں بچے دودھ نہ ملنے کی وجہ سے اور لاکھوں حاملہ عورتیں زچگی کی سہولتیں میسر نہ ہونے اور ناقص غذا کی وجہ سے مر جاتی ہیں۔ اس المناک پس منظر میں اسلحے کی عالمی اور علاقائی منڈیوں کی تجارت میں ہزاروں فیصد اضافہ کیا ہمارے انسان ہونے پر ایک سوالیہ نشان نہیں بن رہا ہے؟ پہلی اور دوسری عالمی جنگوں میں کروڑوں انسان چیونٹیوں، مکوڑوں کی طرح مر گئے، کوریا اور ویت نام کی جنگوں میں عام لوگوں کی ہلاکتوں کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس جنگ میں 59 ہزار امریکی فوجی مارے گئے۔ حالیہ عراق اور افغانستان کی جنگوں میں 20 لاکھ کے لگ بھگ بے گناہ انسان مارے گئے، پاکستان میں دہشت گردوں کے ہاتھوں مارے جانے والوں کی تعداد 50 ہزار سے زیادہ ہے، یہ سب لوگ پتھر کے ہتھیاروں سے نہیں بلکہ آج کے مہذب انسانوں کے بنائے ہوئے جدید ہتھیاروں سے مارے گئے ہیں۔

امریکہ دنیا بھر میں ہونے والی ہتھیاروں کی تجارت میں سرفہرست ہے، سعودی عرب دنیا بھر میں اسلحہ خریدنے والا سب سے بڑا ملک ہے، مشرق وسطیٰ اسلحے کی سب سے بڑی علاقائی منڈی ہے، کیا ان منڈیوں کا تعلق منڈی کی معیشت سے ہے؟ یہ ایسے سوال ہیں جن پر آج کے مہذب انسان کو سنجیدگی سے سوچنا چاہیے۔ ملک و قوم اور قومی مفادات کے نام پر جو خونیں کھیل صدیوں سے جاری ہے۔ کیا اس ہولناک کھیل کو یوں ہی جاری رہنا چاہیے؟ کیا اکیسویں صدی کا مہذب انسان اسلحے کی نمائش منعقد کر کے انسان اور اس کے مستقبل کو محفوظ بنا رہا ہے؟ اختلافات انسانوں کے درمیان اور قوموں کے درمیان ہوتے رہے ہیں، ہو رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔ کیا اختلافات کو ہتھیاروں کے ذریعے ہی ختم کیا جا سکتا ہے یا پرامن بات چیت کے ذریعے بھی اختلافات دور کیے جا سکتے ہیں؟ اختلافات، تعصّبات اور نفرتوں کی وجوہات کو ختم کیجیے۔ پھر نہ ہتھیاروں کی تیاری کی ضرورت ہوگی نہ تجارت کی۔ کاش، کاش، کاش آج کا ترقی یافتہ انسان اس سادہ سی حقیقت کو سمجھ لیتا؟ دنیا کے خطرناک ہتھیار کو صرف محبت سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ کیا ہم جنگ اور نفرت کو محبت اور بھائی چارے سے ختم کرنے کے اہل ہیں؟

***

مسعود چودھری جرمنی

اپنی آن انا میں رہنا مشکل ہے
دل کا بند قبا میں رہنا مشکل ہے
اب تو راہِ فا میں رہنا مشکل ہے
دشتِ آبلہ پا میں رہنا مشکل ہے
بہتی ہوئی کشتی نے یہ پیغام دیا
ٹھہرے ہوئے دریا میں رہنا مشکل ہے
مٹی، پانی، آگ، ہوا کے انسان کو
تنہا جا کے خلا میں رہنا مشکل ہے
آؤ شہر آباد کریں ہم مل جُل کر
دُکھوں کے صحرا میں رہنا مشکل ہے
پھول کہ جس کے گرد ہو کانٹوں کی دیوار
اس کا بادِ صبا میں رہنا مشکل ہے
باغوں میں ہریالی کی رُت آئے تو
ایسے میں صحرا میں رہنا مشکل ہے
جس کے باسی جان کے دُشمن ہو جائیں
پھر تو اُس دنیا میں رہنا مشکل ہے
پل پل سانسیں ٹوٹتی جاتی ہیں مسعودؔ
اب تو کرب و بلا میں رہنا مشکل ہے

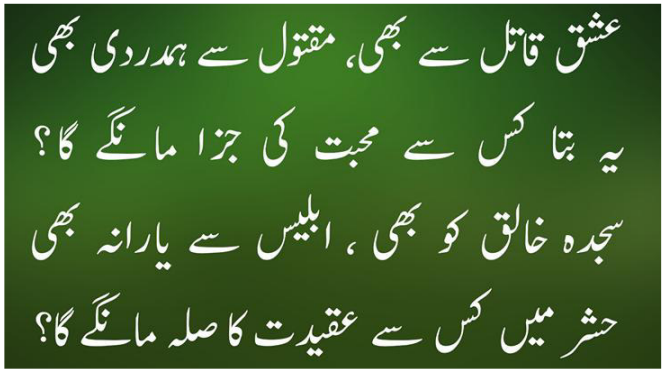

ماں ------------ طفلِ مادر

بہت عرصہ مجھے اس راز کا پتہ ہی نہ چل سکا کہ ماں کو میرے آنے کی خبر کیسے ہو جاتی ہے۔ میں سکول سے آتا تو دستک دینے سے پہلے دروازہ کھل جاتا۔ کالج سے آتا تو دروازے کے قریب پہنچتے ہی ماں کا خوشی سے دمکتا چہرہ نظر آ جاتا۔ وہ پیار بھری مسکراہٹ سے میرا استقبال کرتی، دعائیں دیتی اور پھر میں صحن میں اینٹوں سے بنے چولہے کے قریب بیٹھ جاتا۔ ماں گرما گرم روٹی بناتی اور میں مزے سے کھاتا۔ جب میرا پسندیدہ کھانا پکا ہوتا تو ماں کہتی چلو مقابلہ کریں۔ یہ مقابلہ بہت دلچسپ ہوتا تھا۔ ماں روٹی چنگیر میں رکھتی اور کہتی اب دیکھتے ہیں کہ پہلے میں دوسری روٹی پکاتی ہوں یا تم اسے ختم کرتے ہو۔ ماں کچھ اس طرح روٹی پکاتی ... ادھر آخری نوالہ میرے منہ میں جاتا اور ادھر تازہ تازہ اور گرما گرم روٹی توے سے اتر کر میری پلیٹ میں آ جاتی۔ یوں میں تین چار روٹیاں کھا جاتا۔ لیکن مجھے کبھی سمجھ نہ آئی کہ فتح کس کی ہوئی! ہمارے گھر کے کچھ اصول تھے۔ سب ان پر عمل کرتے تھے۔ ہمیں سورج غروب ہونے کے بعد گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی۔ لیکن تعلیم مکمل کرنے کے بعد مجھے لاہور میں ایک اخبار میں ملازمت ایسی ملی کہ میں رات گئے گھر آتا تھا۔ ماں کا مگر وہ ہی معمول رہا۔ میں فجر کے وقت بھی اگر گھر آیا تو دروازہ خود کھولنے کی ضرورت کبھی نہ پڑی۔ لیٹ ہو جانے پر کوشش ہوتی تھی کہ میں خاموشی سے دروازہ کھول لوں تا کہ ماں کی نیند خراب نہ ہو لیکن میں ادھر چابی جیب سے نکالتا، ادھر دروازہ کھل جاتا۔ میں ماں سے پوچھتا تھا...... آپ کو کیسے پتہ چل جاتا ہے کہ میں آ گیا ہوں؟ وہ ہنس کے کہتی مجھے تیری خوشبو آ جاتی ہے۔

پھر ایک دن ماں دنیا سے چلی گئی! ماں کی وفات کے بعد ایک دفعہ میں گھر لیٹ پہنچا، بہت دیر تک دروازے کے پاس کھڑا رہا، پھر ہمت کر کے آہستہ سے دروازہ کھٹکٹایا۔ کچھ دیر انتظار کیا اور جواب نہ ملنے پر دوبارہ دستک دی۔ پھر گلی میں دروازے کے قریب اینٹوں سے بنی دہلیز پر بیٹھ گیا۔ سوچوں میں گم نجانے میں کب تک دروازے کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا رہا اور پتہ نہیں میری آنکھ کب لگی۔ بس اتنا یاد ہے کہ مسجد سے آذان سنائی دی، کچھ دیر بعد سامنے والے گھر سے امّی کی سہیلی نے دروازہ کھولا۔ وہ تڑپ کر باہر آئیں۔ انہوں نے میرے سر پر ہاتھ رکھا اور بولی پتر! تیری ماں گلی کی جانب کھلنے والی تمہارے کمرے کی کھڑکی سے گھنٹوں جھانکتی رہتی تھی۔ ادھر تو گلی میں قدم رکھتا تھا اور ادھر وہ بھاگم بھاگ نیچے آ جاتی تھیں۔ وہ بولی پتر تیرے لیٹ آنے، رات گئے کچن میں برتنوں کی آوازوں اور شور کی وجہ سے تیری بھابی بڑ بڑ کیا کرتی تھی کیونکہ ان کی نیند خراب ہوتی تھی۔ پھر انہوں نے آبدیدہ نظروں سے کھڑکی کی طرف دیکھا اور بولیں "پڑھن اے کھڑکی کدے نئیں کھلنی"۔ کچھ عرصہ بعد میں لاہور سے اسلام آباد آ گیا جہاں میں گیارہ سال سے مقیم ہوں۔ سال میں ایک دو دفعہ میں لاہور جاتا ہوں۔ میرے کمرے کی وہ کھڑکی اب بھی وہاں موجود ہے۔ لیکن ماں کا وہ مسکراہٹ بھرا چہرہ مجھے کبھی نظر نہیں آیا۔ میری ماں میری پیاری ماں میری جان ماں۔ میں تجھے کہاں سے ڈھونڈوں سب کہتے ہیں کہ اس کو بھول جاؤ کوئی اسے ہی کہہ دو کہ لوٹ آؤ۔

امی جان سے خالہ جان تک کا سفر

ابراہیم عابد

ایک بیس بائیس سالہ نوجوان ناہید سپر مارکیٹ میں داخل ہوا، کچھ خریداری کر ہی رہا تھا کہ اسے محسوس ہوا کہ کوئی خاتون اسکا تعاقب کر رہی ہے، مگر اس نے اسے اپنا شک سمجھتے ہوئے نظر انداز کیا اور خریداری میں مصروف ہو گیا، لیکن وہ عورت مستقل اسکا پیچھا کر رہی تھی، اب کی بار اس نوجوان سے رہا نہ گیا، وہ یک لخت خاتون کی طرف مڑا اور پوچھا، ماں جی خیریت ہے۔؟

عورت: بیٹا آپکی شکل میرے مرحوم بیٹے سے بہت زیادہ ملتی جلتی ہے، میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپکو اپنا بیٹا سمجھتے ہوئے آپکے پیچھے چل پڑی، اور ابھی آپ نے مجھے امی جان کہا تو میرے دل کے جذبات فرطِ محبت وخوشی سے لائق بیان نہیں۔

عورت نے یہ کہا اور اسکی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہو گئے۔ نوجوان: کوئی بات نہیں ماں جی آپ مجھے اپنا بیٹا ہی سمجھیں۔ عورت: بیٹا کیا ایک دفعہ پھر آپ مجھے ماں جی کہو گے؟ نوجوان نے اونچی آواز سے کہا جی ماں جی۔

لیکن خاتون نے گویا نہ سنا ہو۔ نوجوان نے پھر بلند آواز سے کہا جی ماں جی۔ عورت نے سنا اور نوجوان کے دونوں ہاتھ پکڑ کے چومے، اپنی آنکھوں سے لگائے اور روتے ہوئے وہاں سے رخصت ہو گئی۔ نوجوان اس منظر کو دیکھ کر اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکا اور بے اختیار اسکی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، اور وہ اپنی خریداری پوری کیے بغیر واپس چل دیا۔ کاؤنٹر پر پہنچا تو کیشیئر نے دس ہزار کا بل تھما دیا۔ نوجوان نے پوچھا دس ہزا کیسے؟ کیشیئر: آٹھ سو کا بل آپکا ہے اور نو ہزار دو سو آپکی والدہ کا، جنہیں آپ ابھی امی جان امی جان کہہ رہے تھے۔ وہ دن اور آج کا دن نوجوان اپنی حقیقی امی کو بھی خالہ جان کہتا ہے۔ (منقول)

احسان کا بدلہ

رانا عبدالوحید خاں

یہ 1892ء کا ذکر ہے ''اسٹینڈرفورڈ یونیورسٹی'' میں ایک اٹھارہ سال کا ایک نوجوان طالب علم اپنی یونیورسٹی کی فیس ادا کرنے کی تگ و دو میں مصروف تھا۔ وہ ایک یتیم لڑکا تھا وہ نہیں جانتا تھا کہ پیسوں کا انتظام کہاں سے کرے۔ اچانک اُس کے ذہن میں ایک خیال آیا، ایک ایسا خیال جس پر عمل درآمد کرنے سے اُس کی فیس کا انتظام ہوسکتا تھا۔ وہ اپنے دوست کے پاس گیا اور اُس سے مدد کی درخواست کی بالآخر مشورے سے یہ طے پایا کہ وہ یونیورسٹی میں ایک میوزیکل کنسرٹ کا انتظام کریں گے اور اُس سے حاصل ہونے والی آمدنی سے اپنی تعلیم کی فیس ادا کریں گے۔ وہ دونوں مل کر اُس دور کے عظیم پیانو نواز 'پیڈریوسکی کے پاس گئے تاکہ اُسے کنسرٹ میں پرفارم کرنے کے لیئے راضی کیا جاسکی۔ پیڈریوسکی کے مینیجر نے رقم کا تقاضہ کیا اور تقریباً دو ہزار ڈالز میں معاملہ طے پا گیا۔ دونوں طالب علم دل وجان سے کنسرٹ کو کامیاب بنانے کی تیاریوں میں لگ گئے۔

بالآخر کنسرٹ کا دن آ پہنچا۔ پیڈریوسکی نے بہترین پرفارمنس دی لیکن بدقسمتی سے مُناسب پبلسٹی نہ ہونے کے باعث حاضرین کی کمی تھی۔ دونوں طالب علم ٹکٹ پوری طرح فروخت نہیں کر پائے تھے۔ اُنہیں اس کنسرٹ سے محض سولہ سو ڈالرز کی آمدنی ہوئی تھی۔ یہ بڑی شرمندگی کی بات تھی۔ اُنہوں نے پیڈریوسکی کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تاکہ اُسے حقیقت سے آگاہ کیا جاسکے۔ پیڈریوسکی کے پاس پہنچ کر اُنہوں نے تمام رقم اُس کے سامنے ڈھیر کردی اور تمام واقعہ کہہ ڈالا۔ اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے اُسے بقایا چار سو ڈالرز کی رقم بعد میں ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ ''نہیں، یہ قابل قبول نہیں۔۔!! پیڈریوسکی نے اُن کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم ان سولہ سو روپوں میں سے کنسرٹ پر آنے والے اخراجات کی رقم نکال کے اپنی فیس کی رقم اپنے پاس رکھو اور بچ جانے والی رقم مجھے دے دو۔'' دونوں طالب گُنگ کھڑے تھے۔ یہ اعلیٰ ظرفی اور مہربانی کا ایک نادر نمونہ تھا۔ پیڈریوسکی کی اس بات نے ثابت کردیا کہ وہ کتنا عظیم انسان تھا۔ کہانی یہیں ختم نہیں ہوتی...! پیڈریوسکی بعد میں پولینڈ کا وزیراعظم بن گیا۔ وہ پولش قوم کا ایک عظیم رہنما بن کر سامنے آیا۔ جنگ عظیم کے زمانے میں پولینڈ میں قحط کا سا سماں تھا۔ فصلیں تباہ ہوچکی تھیں اور تقریباً ڈیڑھ کروڑ لوگوں کو بھوک کے ہاتھوں موت کا سامنا تھا۔ یہ پولینڈ پر بڑا سخت وقت تھا مالی مشکلات کے سبب پولینڈ کے لیئے ممکن نہ تھا کہ وہ آزاد منڈی سے غلہ خرید سکے۔ پیڈریوسکی نے امریکہ کے ''فوڈ اینڈ ریلیف'' ڈیپارٹمنٹ کی انتظامیہ سے رابطہ کیا اور اُن سے مدد کی درخواست کی۔ اس ڈیپارٹمنٹ کا سربراہ ''ہربرٹ ہوور'' نامی ایک امریکی تھا۔ ہوور نے پیڈریوسکی کی مدد کا وعدہ کیا اور فوری طور پر غلے کے جہاز پولینڈ بھجوائے۔ یہ امداد پولینڈ کے لیئے من وسلویٰ سے بڑھ کر تھی۔ پیڈریوسکی نے ہوور کی مدد پر بنفس نفیس امریکہ جا کر ہوور کا شکریہ ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب دونوں کی ملاقات ہوئی اور پیڈریوسکی نے ہوور کا شکریہ ادا کرنا چاہا تو ہوور نے اُسے ایسا کرنے سے روک دیا اور کہا!!'' جناب پرائم منسٹر صاحب! آپ کو میرا شکریہ ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، آپ شاید مجھے پہچان نہیں رہے مگر مجھے یاد ہے کہ برسوں پہلے آپ نے دو غریب طالب علموں کی مدد کی تھی اور آپ کی اُس مہربانی کی وجہ سے وہ دونوں اپنی تعلیم جاری رکھ پائے تھے۔'' ''جناب پرائم منسٹر! اُن دونوں طالبعلموں میں سے ایک میں ہوں!''

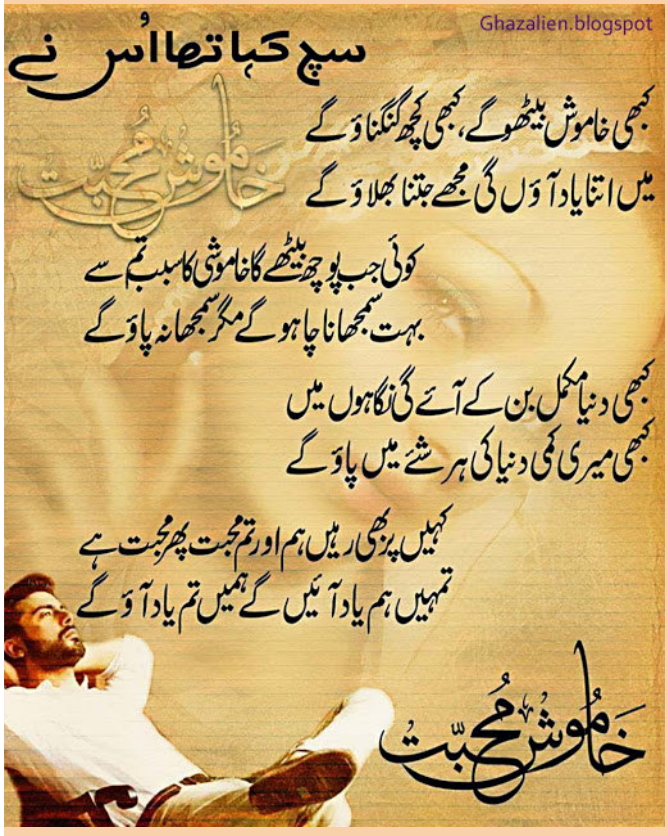

محمد حنیف کی تحریر۔کون زندہ ہے؟

جب بھی کبھی 'زندہ ہے بھٹو زندہ ہے' کا نعرہ سنتا ہوں تو جی چاہتا ہے کہ ان دیوانوں کو سمجھاؤں کہ نہیں بھٹو پھانسی پر جھول گیا آؤ تمہیں دکھاتا ہوں کہ کون زندہ ہے۔ دیکھوں تمھاری سڑکوں، چوکوں پر، تمہاری ریڈیائی لہروں پر، تمہارے موبائل فون کی رِنگ ٹون میں، جدھر دیکھو، جدھر سنو، ضیاء زندہ ہے۔

وہ زندہ ہے ہمارے بچوں کو پڑھائی جانے والی کتابوں میں، ان کو سنائی جانے والی لوریوں میں، ہمارے آئین میں، قانون میں، اس قانون کی حفاظت کرنے والوں کے ضمیر میں، اس قانون کو اللہ کا قانون بنانے کا وعدہ کرنے والے کے دماغ میں۔ وہ زندہ ہے مسجدوں میں پھٹنے والے سرفروش نوجوانوں کے دلوں میں، وہ زندہ ہے ٹی وی کے ڈراموں میں، ٹی وی ٹاک شو کے میزبانوں میں، ہمارے حلق سے نکلی جعلی عربی آوازوں میں، وہ زندہ ہے حجابوں میں، نقابوں میں، ہیروئین کی دولت سے بنے محلوں میں، لگژری عمروں میں، ہرام کو حلال کرتے بینک اکاؤنٹوں میں۔ وہ زندہ ہے شادی پہ چلائی جانے والی کلاشنکوف کی آواز میں، وہ چھپا ہے ہر اُس چوک پہ جہاں ستر سالہ بڑھیا بھیک مانگتی ہے اور آپکو حاجی صاحب کہہ کر پکارتی ہے۔ وہ زندہ ہے ہر اس پولیس والے کے سوال میں جب وہ کہتا ہے نکاح نامہ کہاں ہے۔ وہ اپنا خراج مانگتا ہے جب کہتا ہے کہ دوسروں کو کافر قرار نہیں دو گے تو شناختی کارڈ نہیں ملے گا۔ وہ زندہ ہے اور آسیہ بی بی کی کال کوٹھڑی کا پہرے دار ہے۔ وہ ہر احمدی، ہر شیعہ، ہر ہندو، ہر عیسائی کے سر پہ لٹکی تلوار ہے۔ (ان میں مزار پر دھمال ڈالنے والوں، یارسول اللہ کہنے والوں یا ننگے سر نماز پڑھنے والوں کو بھی شامل کریں)۔ وہ زندہ ہے ہمارے سیاسی ڈھانچے میں، ہماری چادر اور چار دیواری میں، ہمارے احتساب میں، ہمارے مثبت نتائج میں، ہمارے نظام مصطفیٰ کی تلاش میں، ہمارے اُمتِ مسلمہ کے خواب میں، وہ زندہ ہے ہمارے ہر عذاب میں۔ جب احمد پور شرقیہ کے چنی گوٹھ چوک پر ہزاروں لوگ اکھٹے ہوتے ہیں اور ایک ملنگ پر تیل چھڑکنا شروع کرتے ہیں تو وہ اس ہجوم میں شامل ہر شخص کے دل میں زندہ ہے۔ جب ملنگ کو آگ لگائی جاتی ہے اور وہ چیختا ہے تو لوگوں کی سفاکانہ خاموشی میں سے یہی آواز آتی ہے۔ دیکھو میں زندہ ہوں۔

***

کیا واقعی عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔؟

اپنے بڑوں سے اور اردگرد کے ماحول سے یہی سنتے آرہے ہیں کہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔ اب پتہ نہیں ہر عورت ناقص العقل ہوتی ہے یا نہیں۔ البتہ بیوی ضرور ناقص العقل ہوتی ہے۔ شوہر سے کتنی ہی سخت ناراض کیوں نہ ہو۔ اس کے ایک تعریفی جملے پر فوراً پگھل جاتی ہے۔ مان جاتی ہے۔ خوش ہوجاتی ہے۔ تسلیم و رضاء کا پیکر بن جاتی ہے۔ بھلے ہی سخت رُوٹھی ہوئی ہو۔ شاپنگ کا یا آؤٹنگ کا سن کر فی الفور راضی ہوجاتی ہے۔ خلافِ عادت پانچ منٹ میں تیار بھی ہوجاتی ہے۔ میری بیوی ایک مرتبہ بیمار ہوئی۔ اس نے اپنے لیے دلیہ بنایا اور میرے لیے روٹین کا کھانا۔ میں نے یونہی اَز راہِ ہمدردی کہہ دیا کہ چلو میں بھی تمہارے ساتھ دلیہ کھالیتا ہوں۔ اکیلی دلیہ کھاتی اچھی نہیں لگو گی۔ میرے الفاظ کا جادوئی اثر ہوا۔ وہ اپنی بیماری بھول گئی۔ اور لپک جھپک کر دسترخوان بچھانے لگی۔ ساتھ میں بار بار پوچھتی بھی کہ آپ بھی دلیہ کھائیں گے میرے ساتھ۔ آدھے گھنٹے بعد ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کبھی بیمار ہی نہیں ہوئی۔ مجھے بہت شرمندگی ہوئی کہ اتنی جلد مان جانے والی مخلوق کو بھی میں نہیں منا پاتا۔ فوراً اپنے دکھ بھول کر خوش ہوجانے والی ناقص العقل مخلوق کو خوش نہیں کر پاتا۔ میں نے ایک مرتبہ باتوں باتوں میں اسے کہا کہ عورتیں تو ناقص العقل ہوتی ہیں۔ اس نے بڑے رسان سے جواب دیا" اگر کامل العقل بھی ہوتیں تو کیا فرق پڑتا۔ گھر چلانے کے لیے پھر بھی انہیں ناقص العقل ہی بننا پڑتا"۔ میں سوچ میں پڑ گیا کہ ہم نے عورت کو باجود اس کی اعلیٰ تعلیم کے کس ڈگر پر سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یعنی کمپرومائز اسے ہی کرنا ہے۔ مرد برّی الذمہ ہے۔ قربانی وہی دے گی۔ مرد برّی الذمہ ہے۔ بیمار ہونے کے باوجود سب کی خدمت اس کا فرض ہے۔ مرد برّی الذمہ ہے۔ آئے گئے کا خیال کرنا اس کا فرض ہے۔ مرد برّی الذمہ ہے۔ اولاد کی عمدہ تربیت اس کا فرض ہے۔ مرد برّی الذمہ ہے۔ اگر یہی بات ہے تو اس حساب سے تو وہ کامل العقل اور ہم ناقص العقل ہیں۔ جو عورت کا مقام و مرتبہ، ذمے داریاں اور اس کے جذبات بھی نہیں سمجھ پاتے۔ لیکن کیا کریں۔ بڑوں سے یہی سنتے آئے ہیں کہ عورت ناقص العقل ہوتی ہے۔

ہند مسلم فسادات

پاکستان اور بھارت قومی نظریات کی بنیاد پر الگ تو ہو گئے لیکن بھارتی قوم کی نفرت اور منافقت میں کمی نہیں آئی۔ بھارت میں جو سیاستدان مسلمانوں کے خلاف یا پاکستان کے خلاف نہ بولے اُسے ووٹ نہیں ملتا اور بیان بازیوں سے پرہیز کرنے والوں کو سیاستدان ہی نہیں سمجھتا جاتا۔ بھارتی تاریخ چھان لیں کوئی ایک بھی ایسا سیاستدان نہیں ملے گا جو اپنی قوم کو یہ سمجھانے کی کوشش کرے کہ نفرت منافقت اور قوم پرستی کا فائدہ ایک بھی نہیں البتہ نقصانات بے شمار ہیں۔ جبکہ ہندوستانی قوم کو سن 1947 کے بعد سے آج تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ جو سیاستدان یہ کہتے ہیں ہمسائیوں کے ساتھ یوں کر دیں گے یا مسلمانوں کو نکیل ڈال دیں گے وہ آج تک اپنی گائے ماتا کی حفاظت کے سامان تو کر نہیں سکے۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بھارت حکمران ملکی معیشیت کی خاطر اپنی گائے ماتا کی کھال سے بنی ہوئی اشیاء ملک میں بیچنے کی اجازت تو دے دیتے ہیں البتہ جب کسی گلی محلہ میں کوئی مسلمان اس الزام میں دھر لیا جائے کہ اُس نے گائے کا گوشت بیچا ہے تب وہ ایسے ایسے بیانات آتے ہیں جنہیں سُن کر بھارتی سیاستدانوں کی مکاری اور عوام کی جہالت کا ثبوت مل جاتا ہے۔ دُنیا کی مشہورِ زمانہ کمپنیاں جو مختلف جانوروں کی کھال سے بنے بیلٹ اور جیکٹ وغیرہ فروخت کرتے ہیں اُنہیں بھارتی حکومت کی جانب سے اجازت ہے کہ وہ بھارت کے شہروں میں اپنی دُکانیں کھولیں اپنا مال فروخت کریں اپنی مصنوعات کی تشہیر کریں اور بلا جھجک درآمد اور برآمد کریں۔ جبکہ دوسری طرف بھارتی نوجوان ذاتی دشمنی کی آڑ میں روز بروز مسلمان نوجوانوں کو گروپ کی شکل میں اکھٹے ہو کر پکڑ لیتے ہیں اور یہ الزام لگا کر ویڈیو بناتے ہوئے خوب مارتے ہیں کہ اس نے گائے کا گوشت بیچا ہے۔ جبکہ وہ نوجوان مار کھاتے ہوئے بھی یہ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ہم نے ایسا نہیں کیا۔ یہ ڈرامہ منافقت کی بنیاد پر پھیلتا ہی چلا جا رہا ہے۔ میرا یہ سوال ہے بھارتی حکمرانوں سے کہ جب مختلف کمپنیاں بھارت میں گائے کی کھال سے بنی مصنوعات فروخت کرتی ہیں تب ہندوؤں کی گائے ماتا اور مذہب کا جوشیلا پن کہاں جاتا ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ بھارتی اَن پڑھ سیاستدان یہ سمجھتے ہیں کہ گائے کی کھال اُتار کر اُسے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ دوبارہ کھال آ جائے، نجانے اُنہیں کیوں ایسا لگتا ہوگا کہ کھال اُتارنے کے عمل سے پہلے گائے کو ذبح نہیں کیا جاتا ہوگا۔ خیر یہ تو اُنکا ذاتی 'جہالیاتی' معاملہ ہے!۔ بھارتی عوام کو چاہئے کہ گروہ اپنی گائے ماتا کی اتنی ہی قدر اور عزت کرتے ہیں تو پہلے اپنے ملک میں بکنے والی ہر اُس مصنوعات پر پابندی لگوائیں جو گائے کی کھال یا چربی سے بنتی ہے۔

بھارتی عوام اپنے منتخب کردہ حکمرانوں سے جواب مانگیں کہ کس کی اجازت سے غیر ملکی کمپنیاں ہندوستان میں ایسی اشیاء بیچتی ہیں۔ گذشتہ دنوں ایک ویڈیو منظرِ عام پر آئی جس میں ایک بھارتی اداکار اعجاز خان کی جانب سے مشہور و معروف کمپنی 'ہارلے ڈیوڈسن' کی بنی ہوئی لیدر کی جیکٹ، بیلٹ اور ہاتھ میں باندھنے والا بریسلٹ دیکھایا گیا جسے خاص طور پر گائے کی کھال سے تیار کیا گیا تھا۔ اعجاز خان نے اُن مصنوعات کی خریداری کی رسید بھی دکھائی اور کمپنی کا پیکٹ جس میں ڈال کر فروخت کی جاتی ہے وہ بھی دکھایا۔ ساتھ ہی ساتھ بھارتی حکمرانوں کے چہرے بے نقاب کرتے ہوئے واضح کیا کہ کیسے آپ ثبوت کے طور پر ان اشیاء کو خرید سکتے ہیں جو بھارت میں فروخت کرنے کی کھلم کھلا اجازت حکومت وقت کی جانب سے دی گئی ہے۔ اُس ویڈیو کو دیکھنے کے بعد مجھے مزید اس بات کا یقین ہو گیا کہ واقعی ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات کے پیچھے صرف اور صرف بھارتی سیاستدانوں کی مکاری اور فساد کی سیاست ہے۔ افسوس!

ہ (ہائے مختفی) اور ھ (دوچشمی) کا استعمال

اُردو میں ''ھ'' پر مشتمل حروف کا ایک پندرہ رُکنی خاندان موجود ہے جن کا ہائے مختفی سے کوئی تعلق نہیں۔

بھ، پھ، تھ، ٹھ، جھ، چھ، دھ، ڈھ، رھ، ڑھ، کھ، گھ، لھ، مھ، نھ۔

اس لیے یہ ضروری ہے کہ ''ہ'' اور ''ھ'' کو ایک دوسرے کا مترادف یا متبادل تصور نہ کیا جائے اور املاء میں بھی ان کے فرق کو ملحوظ رکھ کر ایک بہت بڑے مغالطے کا ازالہ کیا جائے۔

مثالیں: بہرا (یعنی جسے سنائی نہ دے) قوتِ سماعت سے محروم شخص اور بھرا (یعنی پُر) خالی کی ضد

بہاؤ (یعنی بہنا) پانی کا بہاؤ اور بھاؤ (نرخ) مقرر کردہ قیمت وغیرہ

مسلمان سائنسدانوں کی تنقیدی اور تجزیاتی صلاحیت

رشحات قلم
زکریا ورک کینیڈا

یورپ پر مسلمانوں کے بے شمار علمی احسانات ہیں۔مگر مغربی مؤرخین مسلمانوں کی گراں قدر علمی و سائنسی خدمات کو ہمیشہ گھٹا پر پیش کرتے ہیں۔مغربی مؤرخین سائنس کا کہنا ہے مسلمانوں نے عہد وسطیٰ کے دور میں سارا علمی سرمایہ یونانیوں سے لیا تھا اگر انہوں نے کچھ کیا تو یہ کیا کہ اس علمی سرمائے کو عربی میں ترجمہ کر کے زمانے کی دست برد سے محفوظ کر دیا۔یعنی ان کے نزدیک مسلمان محض نقال تھے۔گویا مسلمان سائنسدانوں میں تنقیدی اور تجزیاتی صلاحیت نہیں تھی۔مگر حقیقت اس کے برعکس ہے مسلمانوں کے عباسی دور خلافت میں کئے گئے انہی تراجم اور تفاسیر کی وجہ سے عہد قدیم کے یونانی سائنسدانوں کی بیش قیمت کتابیں اب تک محفوظ اور دستیاب ہیں۔ان کی متعدد اصل کتابیں تو کب سے معدوم ہو چکی ہیں۔ اگر مسلمان سکالرز، ترجمہ نگاروں اور ناقدین نے بغداد میں یونانی کتابوں کے عربی میں تراجم کا یہ کام جو تین صدیوں (آٹھویں صدی سے دسویں صدی) پر ممتد تھا اگر نہ کیا ہوتا تا یونانی عالموں کے علمی خزانے کا بارہویں صدی کے بعد یورپ تک پہنچنا ممکن نہ ہوتا۔مسلمان شارحین، مترجمین نے فلسفہ، ریاضی، طب، فلکیات، علم نجوم، فزکس، کیمسٹری میں افلاطون، ارسطو، اقلیدس، جالینوس، بطلیموس، بقراط، سقراط کی خیال افروز تخلیقات اور دیگر علمی سرمائے کو دو سو سال تک عربی میں تراجم کر کے منتقل کیا تھا۔

علمی خزانے کو محفوظ کرنے ایک بین مثال بطلیموس کی لاطینی میں علم ہیئت پر اساسی اور لازوال کتاب Megali Syntaxis ہے جس کا عربی میں ترجمہ بغداد میں نویں صدی میں کیا۔اس کتاب کا اصل نسخہ نہ صرف صدیوں قبل ضائع ہو گیا تھا بلکہ اس کا اصل نام سب فراموش کر چکے ہیں اور اس کا عربی نام کتاب المجسطی ہی مشرق و مغرب کی کتابوں میں مذکور ہے۔اسی طرح جالینوس کی طب پر متعدد کتابیں بھی لاطینی میں زمانے کے ہاتھوں دست برد ہو چکیں مگر عربی میں تراجم کی وجہ سے ابھی تک موجود ہیں۔ یورپ کے جس دور کو 500 Dark Ages-1000 کا نام دیا جاتا اس وقت وہاں ظلمت و جہالت اور بربریت کا دور دورہ تھا مگر مؤرخین بڑی آسانی سے یہ بھول جاتے ہیں کہ یہی دور دنیائے اسلام کا تابندہ و رخشندہ علمی دور تھا۔مسلمان علماء، سائنسدانوں، شارحین، مفسرین، ناقدین نے مشرق (ہندوستان، چین، ایران) و مغرب (یونان، مصر اٹلی) کا علمی سرمایہ بڑی محنت و جستجو سے تلاش، اپنی فکر و نظر سے کام لے کر اس میں اصلاح و ترمیم کی، جگہ جگہ قیمتی اضافے کئے۔تیرھویں صدی کے بعد یہ علمی سرمایہ اسلامی سپین اور سسلی کے راستے یورپین سکالرز تک پہنچا۔یونانی اور مسلمان سائنسدانوں میں فرق یہ تھا کہ اہل یونان کے سائنسی علوم نظریاتی یعنی اساتذہ کے کلام کو بار بار پڑھنا اور دہرانا ہوتا تھا جبکہ اسلامی سائنس کی بنیاد تفیش، تجربات اور مشاہدات پر تھا۔

عہد وسطیٰ کے یورپ میں کیتھولک مذہب نے ایسی مسموم فضا پیدا کر دی تھی کہ تحقیق کرنا قریب قریب ناممکن تھا۔سائنسی کی ترقی میں کتھولک مذہب نے طرح طرح کی رکاوٹیں پیدا کیں جن کی تفصیلات سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔جس وقت عیسائی دنیا دریاؤں میں سفر کرنا ناقابل عفو گناہ اور تخلیق کائنات پر غور و فکر کرنے کو جرم خیال کرتی تھی اس وقت مسلمان مشاہدات اور تجربات میں مگن اور سمندروں کو پامال کرنے کی فکر میں تھے۔یورپ کے بالمقابل اسلامی دنیا میں زبانوں پر اور دماغوں پر قفل نہیں چڑھائے گئے، نہ سوچ اور فکر پر پابندی عائد کی گئی، نہ کسی کو جلاوطن کیا گیا، نہ کسی کو گھر میں محبوس کیا گیا (گیلیلیو) نہ کسی کو زنداں میں ڈالا گیا، نہ عالموں اور مفکروں کو مذہب کے نام پر زندہ جلایا گیا (اٹلی کا برونو)۔مذہب کے نام پر کسی کو علم حاصل کرنے اور پھیلانے سے روکا نہیں گیا بلکہ مسلمان خلفاء، امراء، سلاطین نے ہمیشہ سائنسدانوں کی سرپرستی کی۔جس دور میں مسیحی رہنما میڈیسن کو حرام قرار دے رہے تھے مسلمان اطباء جراحی (بوالقاسم زہراوی) میں کمال حاصل کر کے بیماروں، ناداروں کا علاج کر رہے تھے۔

تنقیدی صلاحیت

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلم سائنسدانوں نے یونانی، ہندوستانی، ایرانی، چینی قوموں کے علمی ذخیرے سے خوب خوب استفادہ کیا

مگر قدماء پر تنقید کا آغاز میں ہی شروع ہو گیا تھا۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ فن تحقیق (scientific research) کی آراستگی اور اس کے اصول وقواعد کو سنوارنے، نکھارنے کا سہرا مغربی دانشوروں اور عالموں کے سر ہی جاتا ہے۔ علم کیمیا کے جدامجد جابر ابن حیان (وفات 815) کے رائے تھی کہ علم میں اضافے کی پوری کوشش میں انسان کے سامنے کوئی حد نہیں ہے۔ اس لئے سائنسدان کو چاہئے کہ وہ کائنات کے اسرار منکشف کرنے کی پوری پوری کوشش کرے۔ ارسطو کے برخلاف جابر ابن حیان کا عقیدہ تھا کہ اس عالم سے ماوراء جو اسرار ہیں ان کو بھی منکشف کرنے کی صلاحیت انسان کو دیعت کی گئی ہے۔ فن تحقیق کی بنیاد مسلمان عالموں نے ڈالی اور اس کے ابتدائی اصول وضع کئے تھے۔ علم حدیث کے ضمن میں مسلمانوں کے وضع کردہ روایت ودرایت کے ضوابط، جرح وتعدیل کے قوانین نے مسلمانوں میں سائنسی تحقیق اور تصنیف وتالیف کے علمی طرز کو فروغ دیا تھا۔ علم منطق میں مسلمانوں کی دلچسپی نے بھی فن تحقیق کو تقویت دی۔

مسلمانوں نے ہی استدلال واستنباط کے طریقے وضع کئے۔ حجت و قیاس اور تمثیل واستقراء کے اصول بنائے۔ قضایا کی تعریف وتقسیم کی۔ تحقیق یعنی ریسرچ کے عمل میں منطق کے ان قواعد کی اہمیت مسلم ہے۔ علامہ ابن حزم اندلسی (994-1064) تصنیف وتالیف کے مقاصد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ قابل ذکر تصانیف کی سات اقسام ہیں اور ہر دانا وبینا انسان ان ہی میں سے کسی ایک کو اختیار کرتا ہے۔ (1) ایسا نیا موضوع جس کی طرف کسی نے سبقت نہ کی ہو 2) نامکمل کی تکمیل کرنا، تکملہ (3) دشوار و مغلق کی شرح کرنا یعنی شارحین (4) طویل کتاب کو مختصر کرنا یعنی خلاصہ تیار کرنا (5) متفرق کو جمع کرنا (6) غیر مرتب کو ترتیب دینا (7) کسی سابق مصنف کی غلطیوں کی اصلاح کرنا (بہ حوالہ رسائل ابن حزم 2:186) محقق یا ریسرچ سکالر میں چند خوبیوں اور اوصاف کا ہونا بھی فن تحقیق میں اہمیت کا حامل ہے جیسے: تحقیق انکشاف کی قدرت، وسعت اطلاع، صبر و برداشت کی صلاحیت، فکر کی گہرائی، تلاش وجستجو کی لگن، تنقید کی صلاحیت، زبان وبیان پر قدرت، امانت علمی کا شعور، غیر جانبداری، انکساری۔ علامہ ابن رشد (d.1198) نے ذہانت وفطانت، انصاف پسندی اور مروت کو بھی محقق کی صفات میں گنوایا ہے۔ (فصل المقال صفحہ 28)

مسلمانوں نے فن تحقیق کے اصول وضع کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس فن پر کتابیں بھی قرطاس ابیض پر اتاریں۔ جیسے خطیب بغدادی کی کتاب تقیید العلم، جلال الدین سیوطی کی التعریف باداب التصنیف، اور ابن جماعہ کی تذکرہ السامع والمتکلم فی آداب العالم والمتعلم۔

(تہذیب الاخلاق ستمبر ۱۹۹۵)

ابن الہیثم اور فن تحقیق

علم بصریات (Optics) کے جدامجد اور شہرہ آفاق طبیعات دان ابن الہیثم (965-1031) اپنی معرکہ آراء کتاب الشکوک علی بطلیموس میں رقم طراز ہے: صداقت کو حق کی خاطر تلاش کیا جاتا ہے لیکن صداقتیں غیر یقینیوں میں پوشیدہ ہیں۔ اور سائنس کے عمائدین غلطیوں سے مبرا نہیں اور نہ ہی انسانی وجود۔ طالب حق وہ نہیں جو متقدمین کا محض قاری ہو اور ان پر حسن ظن میں اپنے طبعی رجحانات کے ساتھ بہہ جائے۔ بلکہ طالب حق وہ ہے جو ان کے بارے میں اپنے ظن پر بھی شک کرے۔ ان کی کتابوں سے جو کچھ سمجھے اسے تامل سے قبول کرے۔ دلیل وبرہان کی پیروی کرے محض قول قائل پر نہ چلے۔ اگر کتب علوم کے کسی قاری کا مقصد حقائق کی پہچان ہو تو اس کو لازم ہے کہ جو کچھ پڑھے اس پر مخالفانہ نظر ڈالے اور اس کے متن و حواشی سب کے بارے میں ذاتی طور پر ذہن دوڑائے۔ اور ہر پہلو سے اس پر کڑی تنقید کرے اور اس تنقید کے عمل میں خود اپنی ذات کو بھی شک وشبہ سے بالاتر نہ سمجھے۔ چنانچہ مخالفت یا موافقت میں توازن کو بگڑنے نہ دے۔ اگر وہ اس روش کو اختیار کر سکے تو حقائق اس پر منکشف ہوں گے اور متقدمین کے ہاں جو اشتباہ رہ گیا ہے اس نظر آجائے۔ (مقالہ الشکوک علی جالینوس طبع قاہرہ صفحات 3-4) امریکہ سے شائع ہونے والی درج ذیل کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ابن الہیثم ہی سائنٹفک میتھڈ کا بانی تھا۔

=r p^ =CMMT,=k ç êíÜ=` ~êç äáå~,=~äàe ~óíÜ~ã ,=pìéêÑäÉáå ë._

تشکیک اور یقین دل میں دو دھاروں کی طرح بہتے ہیں کبھی ایک کبھی دوسرا دماغ پر حاوی رہتا ہے۔ یقین کیلئے تشکیک کا ہونا ضروری ہے اور اگر تشکیک Doubt کے ساتھ اگر یقین بھی ہو تو سونے پر سہاگے والی بات ہے۔ اسلام کے متعدد اکابرین اور جید علماء (ابن سینا، الغزالی) اور دانشوروں کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ جب ذوق تحقیق انسان کو لذت تشکیک سے آشنا کر دیتا تو پھر کوئی عالم یا محقق سچائی سے بات کہنے کو ڈرتا نہیں ہے۔

الرازی اور فن تحقیق

طب کا امام ابوبکر الرازی جس کو مؤرخین نے اس کی طبی مہارت، قابلیت اور تحقیق کی بناء پر جالینوس العرب Galen Arabic کے لقب سے نوازا تھا اس کے بقول اخلاقی آداب کا تقاضہ یہ ہے کہ اساتذہ کرام کے مکمل احترام کے ساتھ ساتھ ان کے نظریات پر بھی شک کیا جائے۔ وہ ارسطو کے اس قول سے استشہاد کرتا ہے کہ ہمیں افلاطون اور سچائی دونوں عزیز ہیں۔ لیکن جہاں دونوں میں اختلاف پایا جاتا ہے تو سچائی ہمیں عزیز تر ہے۔ رازی کے نزدیک اس کے معلوم کردہ حقائق کو ماننا اور تسلیم کرنا واجب نہیں جب تک کہ وہ تجربے کے ذریعہ سچے ثابت نہ ہوتے ہوں۔ گویا وہ کسی اور کی تحقیق کے علاوہ خود تحقیق کا قائل تھا۔ مسلمان سائنسدان تجربہ اور مشاہدہ کو سائنسی حقائق کے پرکھنے کا بنیادی ذریعہ تسلیم کرتے تھے۔ تجربوں اور مشاہدات کا سلسلہ برسوں تک جاری رہتا اور پھر نتائج کو مکمل دیانت داری کے ساتھ حتمی شکل میں پیش کیا جاتا تھا۔ اسلامی سپین کے ہیئت دان ابراہیم نقاش الزرقلی (1029-87) نے صرف آفتاب کا نقطہ اوج معلوم کرنے کیلئے 403 مشاہدات کئے تھے۔ مسلمان اسٹرانومرز اپنی رصدگاہوں میں سالہا سال تک مشاہدات کے بعد نتائج اخذ کرتے تھے۔ رابرٹ بریفالٹ مسلمانوں کے انداز تحقیق کے بارے میں لکھتا ہے: ہر محقق خود ہی اور آزادانہ طور پر کام شروع کر دیتا تھا۔ ذاتی شغف اور جنون کو بالکل کالعدم کر دینے کی کوشش کرتا اور مسلسل مشاہدات نہایت باقاعدگی کے ساتھ جاری رکھتا تھا۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ دمشق، بغداد اور قاہرہ کی رصدگاہوں میں یہ مشاہدات بارہ بارہ سال سے بھی زیادہ مدت تک جاری رہتے تھے۔ وہ اپنی یادداشتوں میں صحت و درستی کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ خاص دلچسپی رکھنے والی یادداشتوں پر باقاعدہ قانونی حلف اٹھانے کے بعد دستخط کئے جاتے تھے۔

Robert Briffault, Making of Humanity, page 270.

حرف آخر

غرضیکہ مسلمان سائنسدانوں نے نہ صرف اپنے پیش رو سائنسدانوں کے علم اور تحقیق سے استفادہ کیا لیکن اس کے ساتھ خود اپنی تحقیق سے بھی علم کے عالمی ذخیرے میں اضافہ کیا۔ مسلمان سائنسدانوں صحت مند معیاروں کے قائل تھے۔ ان کی رائے میں کوئی سائنسدان، عالم، محقق، مفکر کتنا ہی جلیل القدر ہو غلطی سے مبرا نہیں تھا۔

***

اسلامی جمہوریہ میں سیاسی کمالات

ادارہ

یہ تو نواز شریف ہیں جن پہ لوٹ مار، دروغ گوئی، منی لانڈرنگ اور متعلقہ قسم کے الزامات ہیں۔ دسمبر 1971ء میں پاکستانی فوج ذلت آمیز شکست سے دوچار ہو چکی تھی۔ ڈھاکہ کے ریس کورس گراؤنڈ میں ہماری مشرقی کمان کے سالار جنرل نیازی ہتھیار ڈال چکے تھے لیکن اس خوفناک تناظر میں بھی جنرل یحییٰ خان منصب اقتدار چھوڑنے کو تیار نہ تھے۔ وہ تو تقریباً ایک بغاوت کا ماحول تھا جو جی ایچ کیو میں پیدا ہوا اور جس میں وہاں موجود افسران بھڑک اٹھے جس نے جنرل یحییٰ اور ان کے دست راست جنرل حمید کو رخصت ہونے پہ مجبور کیا۔ اگرچہ آئی ٹی رپورٹ کے بعد نواز شریف اب بھی اقتدار سے چمٹا رہنا چاہتے ہیں اور یہ دلیرانہ اعلان کرتے ہیں کہ میں مستعفی نہیں ہوں گا تو اس میں اچنبھے کی بات نہیں۔ اخلاقیات اور اس جیسی فضول باتیں جائیں بھاڑ میں، بات جان بچانے کی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آخری وقت تک کرسیء اقتدار پہ جم کر بیٹھے رہنے میں دانائی کا ایک زاویہ ہے۔ یہ پاکستان ہے برطانیہ نہیں جہاں ڈیوڈ کیمرون جائے اور ٹریسا مے آ جائے اور جمہوری تسلسل چلتا رہے۔ یہاں تو اقتدار ہے تو جہان ہے ورنہ ن لیگ کا وہی حشر ہو جائے جو اکتوبر 1999ء کے بعد ہوا تھا۔ یحییٰ خان کو بھی تقریباً دھکے لگا کر ایوان صدر سے باہر نکالا گیا۔ تو یہ ہم میں سے کون سہانے خواب دیکھنے والے ہیں جو تواتر سے وعظ اور نصیحت کر رہے ہیں کہ جمہوریت کی خاطر میاں نواز شریف کو عہدے سے استعفیٰ دے دینا چاہیے؟ ناممکنات کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ ہاں ایک دفعہ نواز شریف نے استعفیٰ دیا تھا، 1993ء میں۔ لیکن یہ معجزہ تب رونما ہوا جب آرمی چیف جنرل کاکڑ اور 10 کور کے کمانڈر لیفٹیننٹ جنرل غلام محمد سامنے بیٹھے تھے اور نواز شریف صاحب کو ان کی بات سمجھ آ گئی۔ فیصلہ سپریم کورٹ نے کرنا ہے، نکلنے کا بھی یا راہ بچاؤ دینے کا۔ ن لیگ خود سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ ممبران اسمبلی پیٹھ پیچھے باتیں کرنے کے ماہر ہیں۔ یہ میں ذاتی تجربے کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ لیکن میدان کا فیصلہ اور منہ پہ سچ کہنے کی روش، یہ سرے سے ن لیگ اور ہماری دیگر بڑی سیاسی پارٹیوں کے مزاج کا حصہ نہیں۔ جو اجلاس جمعرات کے روز وزیراعظم ہاؤس میں ہوا وہ

عین ن لیگ کے کردار اور سوچ کے مطابق تھا۔ میرے دوست سردار مہتاب عباسی جذباتی ہو گئے۔ ان کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ مرد میدان چوہدری نثار علی خان نے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ ایسے ناٹکوں کا ن لیگ بھرپور ہنر رکھتی ہے۔ بحران حل کرنے کی کوشش یا initiative کہاں سے آئے گی؟ بس یہ واویلا کیا جا رہا ہے کہ ہمارے خلاف سازش ہو رہی ہے اور جمہوریت خطرے میں ہے۔ جمہوریت کیا ہوئی مجرمانہ کارروائیوں اور غفلتوں کا دفاع بن گئی۔ ایک سال سے زائد اس بحران کی چنگاریاں سلگتی رہیں۔ تھوڑی بہت صداقت اور جوانمردی سے کام لیا جاتا تو وزیراعظم اور ان کے خاندان کو شاید یہ دن نہ دیکھنے پڑتے۔ لیکن حیلے بہانوں پہ ہی اکتفا کیا جاتا رہا اور وہ بھی بھونڈی قسم کے، جس کی سب سے عظیم مثال قطری شہزادے کے وہ دو خطوط ہیں جو کسی تخیلی masterpiece سے کم نہیں۔ ایک مخصوص کھیپ وزرا اور نام نہاد ترجمانوں کی اس عمل میں مصروف رہی کہ سپریم کورٹ اور جے آئی ٹی پر کیچڑ اُچھالا جائے۔ لیکن جے آئی ٹی رپورٹ ایسے ناقابل تردید شواہد پر مبنی ہے کہ قوم بھی سن کر ششدر رہ گئی اور حکمران خاندان کے اوسان بھی خطا ہو گئے۔ یہ ثابت ہو گیا کہ مریم صفدر آف شور کمپنیوں کی مالکن ہیں اور یہ کہ مریم صفدر اور حسین نواز کے درمیان مبینہ ٹرسٹ ڈیڈ ایک جعلی دستاویز ہے۔ ستم در ستم دیکھئے کہ دوبئی والوں نے بھی گواہی دے دی کہ 12 ملین درہم کے آنے جانے کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور ایک سرکاری خط میں یہ بھی کہہ گئے کہ شریفوں کا کوئی سکریپ مال دوبئی سے جدّہ نہیں گیا۔ اور تو اور، اور یہ ایسی بات ہے کہ ہر پاکستانی کا سر شرم سے جھک جائے، وزیر اعظم ایک دوبئی کمپنی کے مالک نکلے اور وہاں سے کچھ عرصہ پہلے تک ہر ماہ دس ہزار درہم کی تنخواہ لیتے پائے گئے۔ حکومتی ترجمانوں سے سادہ سا سوال پوچھنا چاہیے کہ یہ سب حقیقت ہے یا کسی سازش کی پیداوار؟ بدعنوانی، ہیر پھیر اور لوٹ مار کی داستان سے زیادہ جو چیز جے آئی ٹی رپورٹ عیاں کرتی ہے، وہ پاکستان کی پرلے درجے کی گھٹیا حکمرانی ہے۔ کیا یہ چیزیں جو حکمران خاندان سے منسوب کی جا رہی ہیں کسی حکمران، منتخب یا غیر منتخب، سویلین یا فوجی کو زیب دیتی ہیں؟ صدر نکسن کسی اور جرم کے مرتکب نہیں ہوئے تھے، صرف جھوٹ بولا تھا۔ وہ بھی بھاری مینڈیٹ سے منتخب ہوئے تھے لیکن انہیں مسندِ صدارت چھوڑنا پڑی۔ صدر کلنٹن کے خلاف کارروائی عشق معاشقے کی وجہ سے شروع نہ ہوئی بلکہ صرف جھوٹ بولنے پر۔ یہاں غلط بیانی اور ہیر پھیر کی صرف داستان نہیں بلکہ ایک پورا انسائیکلو پیڈیا کھل گیا ہے، اور ہماری حکمران جماعت اور خود حکمران خاندان چیخ چیخ کے چلا رہا ہے کہ ہم پہ کوئی کرپشن تو ثابت نہیں ہوئی۔ ان کے خیال میں یہ ساری چیزیں، جن کا الزام لگ رہا ہے، کرپشن کے زمرے میں نہیں آتیں۔ پاناما پیپرز، آف شور کمپنیوں کی ملکیت کے بارے میں تھے۔ وہ فلائی اوورز، میٹرو بسیں اور اورنج لائن ٹرین وغیرہ کے بے تحاشا اخراجات یا کسی اور قسم کی کرپشن کے بارے میں نہ تھے۔ آف شور کمپنیوں کی ملکیت، جس سے حکمران خاندان انکاری تھا، روزِ روشن کی طرح ثابت ہو گئی ہے۔ لیکن سب کچھ سامنے آ جانے کے باوجود اپنی پارسائی کا ایسا شور مچا رہے ہیں کہ ان کی ہمت کو داد دینے کو جی چاہتا ہے۔

حالت یہ ہو گئی ہے کہ دوبئی کے حکمران شیخ محمد سے بات نہیں ہو پا رہی۔ حکومت کی وُقعت اس سطح پر جا پہنچی ہے کہ شیخ محمد سے بات کرنے کی التجا کی جا رہی ہے۔ ایسے سکینڈل کے اَفشا ہونے کے بعد، ایسے کالے بادل جب سر پہ منڈلا رہے ہوں، تو کیا وزیراعظم اس پوزیشن میں ہیں کہ اور سربراہان مملکت سے سیدھے منہ بات کر سکیں؟ کیا وہ اس پوزیشن میں ہیں کہ فوجی سربراہ جنرل قمر جاوید باجوہ سے پُراعتماد لہجے میں گفتگو کر سکیں؟ خدا کا کرنا کہیے یا مکافاتِ عمل، بہت کچھ سے بچتے آئے ہیں لیکن اب ایسے پھنسے ہیں کہ راہِ نجات نظر نہیں آ رہی۔ اور ابھی تو یہ شروعات ہیں۔ ماڈل ٹاؤن کا واقعہ کیا اندھیرے میں چھپا رہے گا؟ کیا دیگر مقدمات کی تلوار سر پر نہ رہے گی؟

جمہوریت کو خطرہ تب ہوتا اگر پاناما پیپرز میں اُٹھنے والی داستانوں سے پہلوتہی کی جاتی۔ اگر سپریم کورٹ یہ مسئلہ اپنے ذمے نہ لیتی تو پاکستانی عوام کا جمہوریت، آئین اور قانون سے اعتماد اور بھروسہ یکسر اُٹھ جاتا اور یہ سوچ مزید پختہ ہوتی کہ مملکت خداداد میں طاقتور طبقات اور اشرافیہ کے لئے ایک قانون ہے اور دوسروں کے لئے دوسرا۔ جو ڈر رہے ہیں اس کیس سے انہوں نے تو ڈرنا ہی ہے۔ ان کا سب کچھ داؤ پر لگا ہوا ہے لیکن بہت دہائیوں بعد اگر پاکستان کے مستقبل کے بارے میں اُمید کی کرن پیدا ہوئی ہے تو یہ اس مقدمے اور اس سے پیدا شدہ بحران کی وجہ سے ہے۔ جیسا کہ چیئرمین ماؤ کہا کرتے تھے۔

Dq ÜÉêÉ=äë=ÖêÉ~í=Çäëç êÇÉêë áÇÉêíÜÉ=ÜÉ~î Éá ë=~áÇ=íÜÉ=ëäí ~íäç á
äë=ÉñÅÉäëÉá íD

بین الاقوامی مشاعرہ

مکرم ومحترم

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بزم شعروسخن برطانیہ کے زیرِ اہتمام مورخہ 3/اگست 2017ء

بروز جمعرات بوقت 5.30 بجے بمقام

Yasmeen Hall 202 Upper Tooting Road Tooting SW17 7EW

ایک بین الاقوامی مشاعرے کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔جس میں دنیا بھر سے تشریف لائے ہوئے مشہور ومعروف شعراء اپنا کلام پیش کریں گے۔اس مشاعرے کی صدارت مکرم ومحترم مبارک صدیقی صاحب کریں گے۔مکرم ومحترم مولانا عطاء المجیب راشدؔ صاحب،مکرم ومحترم ڈاکٹر سرافتخار احمد ایازؔ صاحب لندن،اور برمنگھم سے محترمہ ڈاکٹر نگہت افتخار صاحبہ بطور مہمانانِ خصوصی شامل ہوں گے۔

بین الاقوامی شعرائے کرام میں سے مشہور ومعروف شاعر پاکستان سے مکرم ومحترم جناب لئیق عابد صاحب،امریکہ سے مکرم ومحترم مبارک عابد صاحب، جرمنی سے مکرم ومحترم طاہر عدیم صاحب،مکرم ومحترم عبدالجلیل عباد صاحب،مکرم ومحترم محمد اسحاق عاجز صاحب،مکرم ومحترم وسیم احمد طاہر۔لندن سے امجد مرزا امجد صاحب حصہ لیں گے۔پاکستان سے مکرم ومحترم فرحت عباس شاہ صاحب کو بھی مدعو کیا گیا ہے۔

مقامی شعراء میں سے آدم چغتائی،طفیل عامر،عاصی صحرائی،ڈاکٹر منور احمد کنڈے،نورالجمیل نجمی،

اطیب جاذل بھی تشریف لائیں گے۔

داخلہ فری ہے۔جلسہ سالانہ کے موقع پر آنے والے حضرات بھی
مشاعرہ میں تشریف لا سکتے ہیں۔احباب کی خدمت میں ریفریشمنٹ پیش کی جائے گی۔

چشم براہ

عبدالقدیر کوکب،واحداللہ جاوید،ڈاکٹر کاشف جلید،رمضان شائق،بسم اللہ کلیم،آصف علی پرویز،منظور ریحان،طارق صفدر،
رانا عطاء اللہ،نعیم رضا،لیاقت علی شمسی،فضل عمر ڈوگر،محمود علی،مطیع الرحمن،آصف چغتائی،

خالد چغتائی،مبشر تشنہ،مرزا نعیم احمد۔

ناظم: رانا عبدالرزاق خان۔صدر بزم شعروسخن برطانیہ لندن

فون نمبر 07886304637